ہماری دینی ذمہ داریاں،
اُسوۂ رسولؐ (سورۃ احزاب آیۃ: ۲۱) کی روشنی میں - ص۵

نومبر ۱۹۸۲ء

وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

مقام اشاعت :- ۳۶- کے - ماڈل ٹاؤن - لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ریفریجریٹرز، ایئرکنڈیشنرز اور فریزرز میں سب سے بہتر

سانیو

SANYO

خریدیئے

نو فراسٹ ریفریجریٹرز

اب پاکستان میں تیار/اسمبل کئے جاتے ہیں
• انتہائی مناسب سائز میں [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

بے آواز

روم ایئرکنڈیشنرز

گرمیوں میں سرد، سردیوں میں گرم ہوا
گنجائش [illegible] ([illegible] بی ٹی یو/ایچ)
پاکستان میں تیار/اسمبل کردہ
ٹھنڈا کرنے کی زیادہ صلاحیت بجلی کا کم خرچ
بہتر کارکردگی کیلئے آٹو ڈیفلیکٹر سے آراستہ
براؤن ٹیک میں فنش کی ہوئی جالی۔

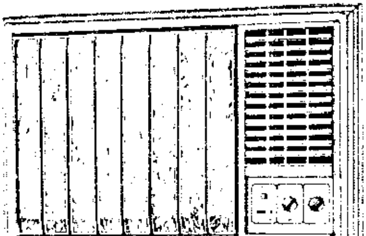

اسپلٹ ٹائپ ایئرکنڈیشنرز

نیا روٹری کمپریسر، آواز اور بجلی کا خرچ کم کرنے کیلئے
دیوار پر نصب کیا جا [illegible]
۲۴ گھنٹے کا [illegible]
آئی سی تھرموسٹیٹ صحیح ٹمپریچر برقرار رکھنے کے لئے
۳-اسپیڈ فین، آپریشن سیلیکٹر

دیوار، فرش اور سیلنگ میں نصب کئے جانے کے قابل
ٹھنڈا کرنے کی صلاحیت ۱۵۰۰۰ تا ۲۵۷۰۰ بی ٹی یو

کرم فرما خصوصی توجہ فرمائیں:
مندرجہ مصنوعات خریدتے وقت ورلڈ وائیڈ کمپنی کی جاری کردہ پانچ سالہ گارنٹی ضرور حاصل کریں تاکہ سروس بعد از فروخت کی مفت سہولت سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔

پاکستان میں سانیو مصنوعات کے سول ایجنٹ:

ورلڈ وائیڈ ٹریڈنگ کمپنی

سانیو سینٹر شوروم: ورلڈ سینٹر، گارڈن روڈ، صدر کراچی
فون: ۲۲۳۶۴ - ۷۲۷۲۹ - ۷۲۷۰۰
پاکستان: کیبل "WORLDBEST" ٹیلکس 25109 WWTCO PK

786 WW-67/82

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا

ماهنامہ

میثاق

لاہور

جلد : ۳۱	شمارہ : ۱۱	محرم الحرام ۱۴۰۳ھ مطابق نومبر ۱۹۸۲ء

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

حافظ عاکف سعید

سالانہ زرتعاون ۳۰/ روپے
قیمت فی شمارہ ۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع
چودھری رشید احمد

مطبع
مکتبہ جدید شارع فاطمہ جناح لاہور

مشمولات

◆ عرض احوال ۳
جمیل الرحمٰن

◆ ہماری دینی ذمّہ داریاں ۵
ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک خطاب

◆ رسُول کامل (سلسلہ تقاریر ۱۱) ۴۹
اُمّت محمدی کی تاریخ کے اہم خدوخال
ڈاکٹر اسرار احمد

◆ ابوالکلامیات ۵۹
الہلال کا ایک ورق
مرسلہ : ڈاکٹر شبیر بہادر خاں پنی

◆ رپورتاژ ۶۳
امریکہ و کناڈا میں ایک چلّہ
قاضی عبدالقادر

◆ افکار و آراء ۷۹

ان شاء اللہ — ۱۲ تا ۱۸ نومبر ۸۲ء — لاہور میں

تنظیمِ اسلامی کی

سالانہ تربیت گاہ

کے ساتھ ساتھ

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

کی دس سالہ تقریب کے ضمن میں بعض

اہم توسیعی لیکچرز

کا اہتمام ہوگا۔

(تفصیلی پروگرام بروقت اخبارات میں شائع کردیا جائے گا۔)

جمیل الرحمٰن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اللہ تعالیٰ کے شکر و سپاس اور اس کے فضل و کرم سے ماہ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ مطابق نومبر ۱۹۸۲ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔ مئی ۸۲ء میں "اسلام میں عورت کا مقام" کے موضوع پر ایک ضخیم اشاعتِ خصوصی پیش کی گئی تھی، اس کی وجہ سے مہینے کے شروع میں "میثاق" کی اشاعت کے نظام میں جو خلل واقع ہوا تھا۔ الحمد اللہ اس پر قابو پا لیا گیا ہے۔ چنانچہ توقع ہے کہ موجودہ شمارہ طباعت کے مختلف مراحل سے گزر کر نومبر ۸۲ء کی شروع ہی کی تاریخوں میں قارئین کرام کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گا۔

اسلامی تقدیم کے لحاظ سے ہم نئے سال میں قدم رکھ رہے ہیں۔ تاجر و صنعت کار ہر سال کے اختتام پر اپنے کاروبار کا سالانہ چٹھا تیار کرتے ہیں تاکہ صحیح طور پر حساب کتاب کے ذریعے معلوم ہو سکے کہ سال بھر میں کیا کمایا اور کیا کھویا! ایک بندۂ مومن کے لئے ضروری ہے کہ ہر رات اپنے دن بھر کے اعمال و افعال کا محاسبہ اور جائزہ لے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے اس دنیوی امتحان کے لئے جو مہلتِ عمر عطا کی ہوئی ہے، اس میں سے ایک دن ختم ہو گیا ہے بقول شاعر ؎

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی ایک اور گھٹا دی

پورا ایک سال گزر جانے کے بعد تو نہایت ضروری ہے کہ 'حاسبوا انفسکم من قبل ان تحاسبوا' کے پیشِ نظر ہم اس امر کا جائزہ لیں کہ دینی، اخلاقی اور قومی و ملّی اعتبارات سے ہم نے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے کیا سعی و جہد کی ہے اور اس لحاظ سے ہم نے اپنے اوقات حصّہ محض اپنی ذات کیلئے اور کتنا حصّہ ان ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے صرف کیا ہے؟

یہ دنیوی زندگی انسان کے لئے امتحان گاہ ہے : خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط جن لوگوں کا یہ سال اس ابتلاء و آزمائش کے پیش نظر گزرا ہے تو ان کی خوش بختی میں کلام نہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایسے حضرات کی تعداد آٹے میں نمک کے تناسب سے بھی کم ہے جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ سال بھر کے جائزے سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ دینی و اخلاقی اور قومی و ملی اعتبارات سے ہمیں معاشرے میں صلاح و فلاح کے کچھ بھی آثار نظر نہیں آتے بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس لحاظ سے ہم من حیثیت القوم انحطاط و زوال سے دوچار ہوئے ہیں اور پاکستان کا داخلی امن شدید خطرات سے دوچار ہوا ہے ۔ پھر دو طرفہ سرحدوں پر بھی خطرات کے مہیب بادل چھائے ہوئے ہیں ۔

ان دنوں اصلاح معاشرہ کی تحریک بپا کئے جانے کا بڑا چرچا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ کوشش اور ہر وہ تحریک ناکام رہے گی جو قرآن کے اصلاحی لائحہ عمل کو By Pass کرکے کی جائے گی ۔ دینی لحاظ سے اصلاح معاشرہ کی تحریک کا اس وقت تک کامیاب ہونا محال ہے ، جبتک معاشرے میں يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ط ۔ اور يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ط کی اس قرآنی دعوت اور منادی کی اساس پر ایک زبردست تحریک بپا نہ ہو ۔ معاشرے کی اصلاح دراصل موقوف ہے اس اس امر پہ کہ معاشرے کے افراد میں اللہ کا تقویٰ اور محاسبہ اُخروی کا خوف کس قدر ہے ؟ ۔ اگر شعوری طور پر یہ باتیں قلوب و اذہان میں راسخ نہ ہوں ۔ تو کسی اصلاح معاشرہ کی تحریک کی کامیابی مشکوک ہے ۔ ایسی جو بھی تحریک اٹھے اس کے لئے لازم ہوگا کہ وہ ان بنیادی امور کو سامنے رکھے ۔

آج سے دو ڈھائی سال قبل سورہ الاحزاب کے تیسرے رکوع کے درس کے بعد اس رکوع کی مشہور آیت : لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ

ہماری دینی ذمّہ داریاں

اُسوۂ نبوی علےٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام کی روشنی میں؟

ڈاکٹر اسرار احمد

کا ایک خطاب

قارئین کرام کو معلوم ہوگا کہ آج سے تقریباً گیارہ بارہ سال قبل مسجد خضراء سمن آباد، لاہور میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ابتداء یعنی سورۃ الفاتحہ سے قرآن مجید کا ہفتہ وار مسلسل درس شروع کیا تھا جواب بعد نماز مغرب جمعہ کو قرآن اکیڈمی میں ہو رہا ہے — ماہ اگست میں یہ درس چوبیسویں پارے کی سورہ نمبر ۴۱ حٰمٓ السجدہ تک پہنچا تھا - لیکن اس ماہ کے دوسرے عشرے میں ڈاکٹر صاحب چونکہ امریکہ کے دورے پر تشریف لے گئے تھے لہذا درمیان میں اس درس میں تعطل پیدا ہو گیا تھا - الحمد للہ اکتوبر کے آخری عشرے میں ہر جمعہ کو بعد نماز مغرب اس درس کا اعادہ ہو گیا ہے -

مئی ۸۹ء میں سورۃ احزاب کے مسلسل درس کے ضمن میں جو مسجد دارالسلام میں ہوا تھا - اس سورۃ مبارکہ کے رکوع نمبر تین (۳) کے درس کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس رکوع کی پہلی آیت لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ کے حوالے سے "ہماری دینی ذمہ داریاں - اُسوہ حسنہ کی روشنی میں" کے موضوع پر خطاب کیا تھا - جس کو کیسٹ سے منتقل کر کے معمولی حک و اضافہ کے ساتھ پیش خدمت کیا جا رہا ہے - (ادارہ)

اَحْمَدُہٗ وَ اُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ — اما بعد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَ الْیَوْمَ

الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ٥ (الاحزاب - آیت ۲۱) صدق اللّٰہ العظیم
رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْ أَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً
مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ط

اللہ کا شکر و احسان ہے کہ ہم نے آج سورۃ احزاب کے تیسرے رکوع کا درس و مطالعہ مکمل کر لیا - میں نے ابتدا ہی میں عرض کر دیا تھا کہ میں درس کے بعد "اُسوۂ حسنہ" کے موضوع پر مزید گفتگو کروں گا - چنانچہ میں اب اللہ کا نام لے کر اس کا آغاز کر رہا ہوں — میں چاہتا ہوں کہ اس 'اُسوۂ حسنہ' کے بارے میں آپ چند اور باتیں سلسلہ وار ایک، دو، تین کی طرح نوٹ کر لیں اور اپنے حافظہ اور ذہن میں بٹھا لیں — میں دورانِ درس یہ عرض کر چکا ہوں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ اور حیاتِ طیبہ ہر ایک اعتبار سے اُسوہ ہے - 'اُسوہ' کا اصل مفہوم اتباع اور پیروی ہے - لیکن سورۃ الاحزاب کے درس کے دوران آنحضورؐ کا جو اُسوہ ہمارے سامنے آتا ہے، اس کو پیشِ نظر رکھیے اور پہلے ایک سوال کا جواب آپ خود اپنے طور پر دینے کی کوشش کیجئے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو اجتماعی جدوجہد ہے، وہ کیا ہے ! میرا یہ سوال بہت اہم ہے، اس کو نوٹ کیجئے کہ میں نے اجتماعی جدوجہد کو کیوں خاص طور پر Qualify کیا ہے ؟ —

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض کام خالص انفرادی ہیں - اور وہ ایسے بھی ہیں کہ ہم ان کا اتباع نہیں کر سکتے — مثلاً نبی اکرمؐ صومِ وصال رکھتے تھے - لیکن ہمیں منع کیا گیا - حضورؐ بغیر افطار کے ایک بعد دوسرا پھر تیسرا روزہ رکھا کرتے تھے - اس سے بھی زیادہ رکھا ہے - لیکن اُمّت کو روک دیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا بھی کہ آپؐ ہم کو کیوں منع فرماتے ہیں ! — جواب میں ارشاد ہوا : اَيُّكُمْ مِثْلِيْ — "تم میں سے کون ہے جو مجھ جیسا ہو؟" اَبِيْتُ عِنْدَ رَبِّيْ — "میں اپنے رب کے پاس رات بسر کرتا ہوں" — وَهُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ — "وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے" — معلوم ہوا کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انفرادی زندگی کے بعض پہلو ایسے ہو سکتے ہیں - جن کے لئے ہم اتباع کے مکلف نہیں ہیں — وہ خصوصیات ہیں جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی —

حضورؐ فرماتے ہیں کہ میں اپنی بعثت کی طرف سے بھی دیکھتا ہوں — ہم کیسے کریں گے! اس اعتبار سے اوّلیت جس اُسوہ کو حاصل ہے، وہ اُسوہ آپ کی اجتماعی زندگی کا نقشہ ہے — اس کا ہر ہر قدم واجب الاتّباع ہے — اسی اتباع کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ: اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ — اس لئے میں یہ کہہ رہا ہوں کہ آپ ذرا اپنے ذہن میں یہ سوال لائیے کہ نبی اکرمؐ کی جو اجتماعی جدوجہد ہے، وہ کس نوعیت کے کام سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔! مثلاً ایک نوعیت ہوتی ہے رفاہ عامہ کے کاموں کی — لوگ یہ کام کرتے ہیں۔ پھر خدمتِ خلق کے بے شمار میدان ہیں، جن کے لئے انجمنیں بنتی ہیں، ادارے وجود میں آتے ہیں — دوسرے کچھ ہوتے ہیں محدود پیمانے کے تبلیغی کام — دنیا میں بے شمار مشنریز (missionaries) ہیں جو تبلیغ کے کام میں مصروف ہیں۔ یہودیوں کی تبلیغ ہے، عیسائیوں کی تبلیغ ہے۔ بدھ مت کے بھکشو ہیں جو تبلیغ کرتے ہیں۔ آریہ سماجی ہیں جو یہ کام کرتے ہیں — یہ بھی ایک اجتماعی نوعیت کا کام ہے یہ وہ تبلیغ ہے جس میں تلوار کبھی ہاتھ میں نظر نہیں آئے گی — اس تبلیغ کا معاملہ کبھی جہاد و قتال تک نہیں جائے گا — وہ ساری عمر تبلیغ ہی رہے گی اور نسلاً بعد نسلٍ یہ سلسلہ چلتا رہے گا — ذہن میں تیسرا خانہ بنائیے تعلیمی اور تحقیقی کام کا — اس کے لئے بھی انجمنیں بنتی ہیں، ادارے بنتے ہیں — تعلیم کو عام کرنے کی عملی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں — مکتب، اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں قائم ہوتی ہیں۔ ریسرچ کے لئے ادارے اور فاؤنڈیشن قائم ہوتے ہیں جن کے تحت یہ کام ہوتا ہے۔ کسی خاص فکر کو پھیلانے اور Promote کرنے کے لئے اکیڈمیاں بنتی ہیں جیسے 'اقبال اکیڈمی'، جو ڈاکٹر اقبال مرحوم کے فکر کو پھیلانے کے کام میں مصروف ہے۔ سقراط نے بھی ایک اکیڈمی بنائی تھی۔ جس میں وہ اپنے فکر کے مطابق کچھ ذہین لوگوں کو تیار کرتا تھا۔ چوتھا کام سیاسی نوعیت کا ہوتا ہے۔ اس کیلئے بھی جماعتیں، جمعتیں اور پارٹیاں بنتی ہیں تحریکیں اٹھتی ہیں، سیاسی میدان میں کام ہوتا ہے الیکشن ہوتے ہیں — اس سیاسی کام کی اصل نوعیت عموماً کیا ہوتی ہے؟ ذرا اس پر بھی غور کر لیجئے — اس کی اصل نوعیت یہ ہوتی ہے کہ جس جگہ جو نظام

قائم ہوتا ہے اصولی اعتبار سے اُس سے اختلاف نہیں ہوتا - ہوتا صرف یہ ہے کہ تفصیلات میں انتظامی اعتبارات سے ایک جماعت کا منشور (Manifesto) کچھ اور ہے اور دوسری جماعت کا کچھ اور ہے - مثلاً امریکہ میں ڈیموکریٹس (Democrates) اور ری پبلکن (Republican) پارٹیاں ہیں اور انگلینڈ میں، لیبر پارٹی، کنزرویٹو پارٹی اور لبرل پارٹی ہے - تو امریکہ یا انگلستان میں جو بنیادی دستور اور نظام رائج ہے یعنی جمہوریت کا نظام تو وہ سب پارٹیوں کے نزدیک متفق علیہ ہوتا ہے - لیکن تفصیلات میں جا کر چند پالیسیوں کے بارے میں اختلافات ہوتے ہیں اور اس ضمن میں پارٹیوں کے منشور (manifesto) میں اختلافات ہوتے ہیں - ہر پارٹی اس اعلان کے ساتھ الیکشن کے میدان میں اُترتی ہے کہ ہمیں ووٹ زیادہ ملیں گے اور اقتدار ہمارے ہاتھ میں آجائے گا تو ہم یہ اور یہ کام کریں گے جس سے ملک اور عوام کو فائدہ پہنچے گا - اللہ اللہ خیر صلا - یہ ہوتی ہے سیاسی کام کی حقیقی نوعیت —— ویسے یہ فہرست طویل ہوسکتی ہے لیکن چونکہ میرے پاس وقت کم ہے اس لئے آپ ان چار انواع کے کاموں کو ذہن میں بٹھا کر اب پانچویں نوعیت کے کام پر غور کیجئے اور وہ ہے انقلابی کام - انقلاب کیا ہوتا ہے کہ کسی جگہ پر جو نظام قائم ہے اس کو جڑ سے اکھیڑنا ہے، بنیادی تبدیلی لانی ہے اور پورے نقشے کو بدلنا ہے -

گفت رومی ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند
تو نہ دانی اول آں تعمیر را ویراں کنند

یہ انقلابی کام اُس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ رائج الوقت نظام کو جڑ اور بنیاد سے اکھیڑ کر اس کی جگہ دوسرا نظام نہ لایا جائے - اب یہ پانچ انواع کے کاموں کو ذہن میں بٹھا لیجئے - نمبر ایک، رفاہی کام نمبر ۲ - تبلیغی کام نمبر ۳ - تعلیمی علمی اور تحقیقی کام نمبر ۴ - سیاسی کام اور نمبر ۵، انقلابی کام —— ہر ایک کے اپنے تقاضے اور اپنی CONNOTATION ہیں - ہر ایک کا نقشہ جدا بنے گا - ہر ایک کے لوازم جُدا ہوں گے - اب آپ میرے اس سوال کا جواب دیجئے کہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ ان پانچ کاموں میں سے کس سے

مشابہت رکھتا ہے۔

کیا اس میں کوئی شک ہے کہ وہ انقلابی کام ہے ۔ ؟ نظام کی تبدیلی اور وہ بھی جزوی نہیں بلکہ پورے نظام کی تبدیلی ۔ وہ صرف تبلیغی کام نہیں تھا ۔ صرف علمی کام نہیں تھا ۔ صرف سیاسی کام نہیں تھا ۔ صرف رفاہی کام نہیں تھا۔ بلکہ اجتماعی پیمانے پر رفاہی کام تو ہمیں نظر ہی نہیں آتے ۔ وہ کام تو نبی اکرمؐ کی زندگی میں اجرائے وحی سے قبل بالکل انفرادی سطح پر خدمتِ خلق اور رفاہی کام اپنے پورے عروج پر نظر آتا ہے ۔ لیکن نبوت و رسالت کے منصب پر سرفراز ہونے کے بعد حضورؐ کی پوری زندگی ایک انقلابی جدوجہد کا نقشہ پیش کرتی ہے ۔ جزوی نہیں بلکہ مکمل انقلابی جدوجہد ۔ گویا کہ ع

نظامِ کہنہ کے پاسبانو! یہ معرضِ انقلاب میں ہے ۔

میں نے سیرت النبیؐ کے موضوع پر متعدد تقاریر کی ہیں، جن میں اس انقلابی جدوجہد کے نقشے کو اپنی امکانی حد تک بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے ۔ اس موقع پر میں چاہوں گا کہ اختصار کے ساتھ اس جدوجہد کے اہم خصائص اور اصول و مبادی آپ کے سامنے اس طرح پیش کروں تاکہ آپ ان کو ترتیب اور نمبروار اپنے ذہن نشین کر لیں ۔

اس انقلابی جدوجہد کے ضمن میں آپ کو سیرت مطہرہ میں جو سب سے اوّل اوّل اور نمایاں چیز نظر آئے گی، وہ یہ ہے کہ یہ ساری جدوجہد خالص انسانی سطح (HUMAN LEVEL) پر کی گئی ہے ۔ کسی بھی انقلاب میں جو مراحل آتے ہیں، وہ سب کے سب انقلاب محمدی میں آئے ۔ گویا اس اعتبار سے اس انقلاب اور دوسرے انقلابات میں کوئی فرق نہیں ـــــ اس وضاحت کے ساتھ میں عرض کرتا ہوں کہ یہ بات اپنے ذہن میں جما لیجئے کہ ہر انقلابی دعوت کو تین مراحل سے لازماً سابقہ پیش آتا ہے :

پہلا مرحلہ ہے " دعوت و تربیت "۔ خالص دینی اصطلاحات کے اعتبار سے یہ بات اس طرح کہی جائے گی کہ دعوتِ ایمان اور تزکیہ : لوگوں کو اللہ کی آیات سنانا اور قبول کرنے والوں کا تزکیہ کرنا ۔ یَتْلُوْا عَلَیْہِمْ

اٰیٰتِنَا وَ یُزَکِّیۡکُمۡ (البقرۃ) — عام دنیوی لحاظ سے اس کی تشریح یوں ہو گی کہ کوئی فکر ہوگا، کوئی نظریہ ہوگا، کوئی فلسفہ ہوگا اور کوئی نقطۂ نظر ہوگا، اس کو پہلے پھیلایا جائے گا - جو اس دعوت کو قبول کریں گے تو اس دعوت کے اعتبار سے پھر ان کی تربیت کی جائے گی - بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

خام ہے جبتک تو ہے مٹی کا اک انبار تو ۔۔۔ اور پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو

پختہ ہوئے بغیر کام نہیں چلے گا - البتہ تربیّت دعوت کے لحاظ سے ہوگی — جو لوگ کمیونزم کے نظریے کو قبول کریں گے، انکی تربیت کے لئے کوئی اور نظام ہوگا — اس میں یہ نہیں ہوگا کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو، زکواۃ ادا کرو و حج کرو - اپنے تمام معاملات کو اللہ اور اس کے رسُول کی تعلیمات و احکام کے تابع رکھو - نہ اس میں یہ ہوگا کہ اپنی نظر اور دل کو پاک صاف رکھو - کھلی آزادی ہوگی کہ جس طرح چاہو اپنی تسکین کا سامان کرلو - جاؤ عیش کرو - شادی کا کیا سوال ہے - اس کے بغیر بھی Sexual ضرورت کو کامریڈ مرد اور کامریڈ عورتیں مل جل کر پوری کریں - ان کی تربیت میں طبقاتی نفرت و عداوت پیدا کی جائے گی - مزدور اور سرمایہ دار کا امتیاز اجاگر کر کے ان کو آپس میں لڑانے کی سبیل اور طریقہ اختیار کیا جائے گا - ان کو تخریب کاری کی Training دی جائے گی - تربیت کا نظام ہر انقلابی دعوت میں ہوتا ہے لیکن اس کے Premises یعنی اس کے صغریٰ کبریٰ اور متعلقات جدا ہوتے ہیں - وہ اُس نقطۂ نظر کے مطابق ہوں گے کہ اصل کام کیا کرنا ہے - کون سا انقلاب لانا پیش نظر ہے - سوشلسٹ انقلاب برپا کرنا ہے تو اس کی تربیت کی نوعیت وہ ہوگی جس کا میں نے ابھی ذکر کیا - اسلامی انقلاب لانا ہے تو اس کی تربیت کی نوعیت دوسرے انقلاب کی تربیت کے معاملے میں بالکل جداگانہ نوعیت کی ہوگی — اس میں اللہ پر توحید کے التزام اور شرک سے اجتناب کے ساتھ ایمان لانا ہوگا - اس میں یوم آخرت میں اس کی کل جزئیات کے ساتھ ایمان لانا ہوگا — اس میں رسالت پر اطاعت و محبت کلی کے ساتھ ایمان لانا ہوگا — بہرحال ان دونوں الفاظ کو ایک جوڑے کی حیثیت سے Bracket کر لیجئے - دعوت اور تربیت - نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ دونوں کام

کئے اور بھر پور طریقے پر کئے ۔

دوسرا مرحلہ ہے "تنظیم" اور اسی کے ساتھ جڑا ہوا لفظ ہے "ہجرت" — آپس میں جڑو اور دوسروں سے کٹو ۔ اسی لئے میں نے تنظیم اور ہجرت کو Bracket کیا ہے ۔ اگر کسی سے کٹو گے تو کسی سے جڑو گے بھی ۔ — جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جڑو گے تو ظاہر ہے کہ اپنے گھر والوں سے کٹو گے ۔ سیدھی سادھی بات ہے ۔ اس میں کوئی الجھاؤ نہیں ہے ۔ یہاں یہ نہیں ہوسکتا کہ دونوں رشتے ساتھ چل سکیں ۔ یہاں credit ہوگا تو Debit بھی ہوگا ۔ اکاؤنٹنٹ کا یہ جدید نظام اس بات کو واضح کرنے کے لیے بڑی عمدہ مثال ہے — یہاں یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی سے کٹنے کو تیار نہیں تو پھر کسی اور سے جڑ بھی نہیں سکتے ۔

اب آپ ان دو الفاظ تنظیم اور ہجرت کو اپنے ذہن میں یکجا یعنی Bracket کر لیجئے ۔

تیسرا مرحلہ ہے ۔ جہاد اور قتال — جہاد کو میں یہاں (Passive Resistance) کے معنی میں لے رہا ہوں ۔ جدوجہد ہے ۔ دعوت و تبلیغ ہے ۔ مشرکانہ عقائد پر تنقید ہے ۔ اس کے ردّعمل میں مشرکین کی طرف سے جور و ستم ہے ' ایذا رسانی ہے ۔ تعدّی ہے ۔ مصائب ہیں لیکن ابھی ہاتھ نہیں اٹھ رہا ۔ حکم ہے کہ ماریں کھاؤ مگر مدافعت میں بھی اپنا ہاتھ نہ اٹھاؤ — تمہیں دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا جائے، برداشت کرو اور جھیلو — تمہیں تپتی ہوئی زمین پر اس حال میں لٹا دیا جائے کہ اوپر سے مکہ جیسے گرم علاقے کا سورج آگ برسا رہا ہو، پھر تمہارے سینے پر پتھر کی سل رکھ دی جائے ۔ تمہاری ٹانگوں میں رسّی باندھکر کھینچا جائے ۔ تو بھی جھیلو اور برداشت کرو Retaliate نہیں کر سکتے ۔ میں کئی بار عرض کر چکا ہوں کہ ایسے حالات میں اگر آدمی Desperate ہوجائے تو ایک آدمی دس کو مار کر مرے گا ۔ لیکن نہیں ۔ کیا حضرت یاسرؓ کسی کو نہ مار سکتے تھے جب ان کی نگاہوں کے سامنے ان کی اہلیہ محترمہ حضرت سمیہؓ کے ابوجہل

اس طرح برچھی ماری کہ پشت کے پار ہو گئی! پھر وہ خود یعنی حضرت یاسرؓ کس طرح مظلومانہ اور بہیمانہ طور پر شہید ہو گئے - لیکن اُف تک نہ کی - چونکہ ایمان لانے کی وجہ سے اس خاندان پر تو ظلم وستم کے پہاڑ بہت پہلے سے توڑے جا رہے تھے اور جب کبھی ایسے مواقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوتا تو آپؐ فرماتے: اِصْبِرُوْا یَا آلَ یَاسِرَ فَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْجَنَّۃُ۔ "اے آلِ یاسرؓ کے گھر والو! صبر کرو تمہارا ٹھکانا جنّت ہے" شہادت کی خوشخبری پیشگی دیدی گئی تھی - خبابؓ ابن ارتؓ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا گیا - اوپر نگرانی کے لئے آدمی کھڑا ہوا ہے - حکم ہے جھیلو۔ پیٹھ کی چربی پگھلتی ہے اور آگ سرد پڑ جاتی ہے - پھر خود ذاتِ مقدسؐ پر کیا کچھ ستم روا نہیں رکھا گیا - آپؐ کی راہ میں کانٹے بچھائے جاتے ہیں جس سے آپ کے پاؤں مقدس زخمی ہو جاتے ہیں - یہ کام رات کے اندھیرے میں کیا جاتا ہے چونکہ آپ علی الصبح تاروں کی چھاؤں میں نماز کے لئے باہر نکلا کرتے تھے - آپؐ کے مکان میں گندگی پھینکنے کو معمول بنا لیا جاتا ہے اور یہ دونوں کام کرنے والے کون ہوتے ہیں! — آپؐ کے پڑوسی اور رشتے میں آپ کے سگے چچا اور چچی یعنی ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل — چادر گردن میں ڈال کر اُسے اس طرح بل دیا جاتا ہے کہ مقدس آنکھیں اُبل پڑتی ہیں — سجدے کی حالت میں رحمۃ للعلمین کے مقدس کاندھوں پر اونٹ کی نجاست بھری اوجھری رکھ دی جاتی ہے - تمسخر، استہزا، طعن وتشنیع اور فقرے چست کرنا روز کا معمول بن جاتا ہے - قلب مبارک پر جو بیتی ہوگی وہ بیتی ہوگی، مومنین صادقین کے دلوں پر کیا گزرتا ہوگا کہ ان کے پیارے اور محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنے مصائب ڈھائے اور ستم توڑے جا رہے ہیں -! مگر وہ ہاتھ نہیں اٹھا سکتے چونکہ آپؐ کو حکم تھا کہ جھیلو، برداشت کرو، صبر کرو — اور آپؐ کی وساطت سے یہی حکم تمام اہل ایمان کے لئے تھا -

اس سے اگلا مرحلہ قتال کا ہے - جب دعوت منظم ہو جاتی ہے اور یثرب

کو دار الہجرۃ بننے کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ مدینۃ النبی بن جاتا ہے اور مسلمان بالفعل ہجرت یعنی ترک وطن کر کے وہاں جمع ہو جاتے ہیں تو ایک Base مہیا ہو جاتی ہے اور ایک چھوٹی سی شہری اسلامی ریاست قائم ہو جاتی ہے اس موقع پر قتال کا مرحلہ آتا ہے چنانچہ سورۃ الحج میں قتال کی اجازت مل جاتی ہے : اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ "ہاتھ کھول دیئے گئے اب تمہیں بھی اجازت ہے اینٹ کا جواب پتھر سے دو - اس لئے کہ تم پر ظلم ہوا ہے اور اللہ تمہارا مددگار اور پشت پناہ ہے" سورۃ النساء میں الفاظ آئے ہیں - كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ - نقشہ کھینچا گیا ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ جب ان سے کہا گیا تھا کہ ہاتھ بندھے رکھو تو کہتے تھے کہ حضورؐ ہمیں بھی اجازت ہونی چاہیئے، ہم بھی لڑیں ہم یہ کر دیں گے وہ کر دیں گے - اب جب کہ لڑائی کا حکم آ گیا تو لڑائی بڑی اوکھی معلوم ہوتی ہے - تو وہاں یہ الفاظ آتے ہیں کہ : فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ - تو ان میں ایک فریق ایسا بھی ہے کہ جس کا دل ڈول رہا ہے اور وہ انسانوں سے اس طرح ڈر رہا ہے کہ جیسے اللہ سے ڈرنا چاہیئے بلکہ کچھ اس سے بھی بڑھ کر : اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْھُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْـيَةً ۚ ج -

کسی انقلابی دعوت کے یہ تین مراحل ہوتے ہیں - مرحلے تین ہیں لیکن الفاظ چھ ہیں گویا ہر مرحلے کے دو پہلو ہوتے ہیں — پہلا مرحلہ ہے، دعوت و تربیت - دوسرا مرحلہ ہے، تنظیم و ہجرت اور تیسرا و آخری مرحلہ ہے، جہاد و قتال - ان مراحل سے گزرے بغیر دنیا میں کبھی کوئی انقلاب نہیں آیا ہے — عیسائی طرز کی تبلیغ ہو سکتی ہے - تبلیغ کا کام آپ بھی کیجیئے کرتے چلے جائیے - اس سے اگلا مرحلہ نہیں آتے گا - وہی کام نسلاً بعد نسلٍ ہوتا رہے گا - لیکن محمد رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا کام اگر آپ دیکھیں گے تو وہ نہ رفاہی کام ہے نہ تبلیغی کام — نہ تعلیمی و علمی کام نہ یہ

سارے کام اس انقلابی کام میں جزو کی حیثیت سے تو شامل ہیں، لیکن کُل کام خالصتاً کسی انقلابی کام کے مشابہ ہے ــــ پھر یہ انقلابی جدوجہد مکمل اور بھرپور انقلابی جدوجہد ہے ۔ نیز یہ کہ یہ پوری انقلابی جدوجہد انسانی سطح (HUMAN LEVEL) پر ہوئی ہے ؎

اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے سو گزری — تنہا پسِ زنداں کبھی رسوا سرِ بازار

تین سال کی قیدِ شعبِ بنی ہاشم ہے ــــ جس میں ایسا وقت بھی آیا ہے کہ کھانے کو کچھ نہیں تھا ۔ گھاٹی کی جھاڑیوں کے پتے سب کے سب کھا لیے گئے تھے اور بھوک اور پیاس کے مارے بنی ہاشم کے بچوں کی زبانیں خشک ہوگئی تھیں، جن کو تر رکھنے کے لئے سوکھے چمڑے اُبال اُبال کران کے حلق میں بوندیں ٹپکائی جاتی تھیں ۔ بنی ہاشم کا پورا قبیلہ نبی اکرمؐ کے ساتھ ہی اس گھاٹی میں قید کر دیا گیا تھا ــــ اور "رُسوا سرِ بازارے آں شوخ ستمگارے" کا نقشہ دیکھنا ہو تو وہ یومِ طائف دیکھ لیجئے کہ جہاں ایک دن میں وہ کچھ بیت گیا جو مکہ میں دس سال میں نہیں بیتا تھا ــــ طائف کے سرداروں نے دعوتِ حق اور دعوتِ توحید کو حقارت اور استہزاء کے انداز میں ٹھکرا دیا اور آپؐ سے جو کچھ انہوں نے کہا اُس کو سننے کے لئے بھی بڑے جگرے کی ضرورت ہے ۔ نقل کفر کفر نہ باشد ۔ ایک سردار نے کہا کہ "اللہ کو تم جیسے مفلس و قلاش کے سوا رسول بنانے کے لئے کوئی اور نہیں ملا اس طرح تو وہ گویا خود کعبے کے غلاف کو چاک کر رہا ہے" ایک سردار نے کہا کہ "میں تم سے بات کرنے کا بھی روادار نہیں اس لئے کہ اگر تم سچے ہو اور واقعتاً رسول ہو تو ہو سکتا ہے کہ میں کہیں توہین کا مرتکب ہو جاؤں اور عذابِ الٰہی کا نوالہ بن جاؤں اور اگر تم جھوٹے ہو تو کسی جھوٹے سے کلام کرنا میری شان کے خلاف ہے" ۔ ایسے ہی اور جملے ان سرداروں میں سے ہر ایک نے کہے ــــ پھر صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جب نبی اکرمؐ بظاہر احوال مایوس ہو کر لوٹنے لگے تو کچھ غنڈوں کو اشارہ کر دیا ــ اوباش لوگ آپؐ کے گرد جمع ہو گئے پھر وہ نقشہ جما ہے کہ جس پر آسمان و زمین لرز گئے ہوں تو کوئی تعجب نہیں ۔ ان اوباشوں نے محبوبِ رب العٰلمین سید الاولین و الآخرین

پر پتھروں کی بارش شروع کر دی - تاک تاک کر ٹخنے کی ہڈیوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے - تالیاں پیٹی جا رہی ہیں - حضورؐ کا جسدِ اطہر لہولہان ہوگیا ہے نعلین شریف خون سے بھر گئی ہیں اور پیر جم گئے ہیں - ایک موقع پر آپؐ ضعف کے مارے ذرا بیٹھ گئے ہیں تو دو غنڈے آگے بڑھتے ہیں اور بغلوں میں ہاتھ ڈال کر آپکو کھڑا کر دیتے ہیں کہ چلو — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ذاتی اعتبار سے ابتلا اور امتحان کا یہ نقطۂ عروج (climax) ہے — شہر سے باہر آکر آپؐ ایک پتھر سے ٹیک لگا کر تشریف رکھتے ہیں اور اس موقع پر وہ دعا آپ کی زبانِ مبارک سے نکلتی ہی ہے کہ جس کو پڑھتے، سنتے اور سناتے وقت کلیجہ شق ہوتا ہے :-

اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْا ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ —

"اے اللہ! کہاں جاؤں، کہاں فریاد کروں، تیری ہی جناب میں فریاد لے کر آیا ہوں - اپنی قوت کی کمی اور اپنے وسائل و ذرائع کی کمی کی — اور لوگوں میں جو رسوائی ہو رہی ہے، اس کی"

اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ؟ اِلٰی بَعِیْدٍ یَّتَجَھَّمُنِیْ اَوْ اِلٰی عَدُوٍّ مَلَّکْتَہٗ اَمْرِیْ؟

"اے اللہ! تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا تو نے میرا معاملہ دشمنوں کے حوالے کر دیا ہے کہ وہ جو چاہیں میرے ساتھ کر گزریں-؟"

اِنْ لَّمْ یَکُنْ عَلَیَّ غَضَبُکَ فَلَآ اُبَالِیْ —

"پروردگار! اگر تیری رضا یہی ہے اور اگر تو ناراض نہیں ہے تو پھر میں بھی راضی ہوں، مجھے اس تشدد کی کوئی پرواہ نہیں ہے"

ع سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے - !

اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَہُ الظُّلُمٰتُ

"اے رب! میں تیرے روئے انور کی ضیاء کی پناہ میں آتا ہوں جس سے ظلمات بھی منور ہو جاتے ہیں -"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یوم اُحد کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

سے دریافت کیا تھا کہ "یا رسول اللہ! کیا اس سے زیادہ سخت دن بھی آپ کی زندگی میں آیا ہے؟ اور آپ نے جواب میں فرمایا تھا " اُلآن ۔ ہاں یوم طائف میری زندگی کا سب سے زیادہ سخت دن تھا "۔ یہ تمام مصائب و مشکلات کے ادوار نبی اکرمؐ پر آئے اور صحابہ کرامؓ پر بھی ۔ اس میں ایک نکتے کی بات ہے، اس پر غور کیجئے وہ یہ کہ ہمارا صغریٰ کبریٰ یہ ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید وُلد آدم اور محبوب رب العلمین ہیں ۔ جو اس بات میں شک کرے کافر ۔ پھر یہ کہ اللہ علٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے ۔ جو شک کرے وہ کافر ۔ ان دونوں کو جوڑیئے ۔ کیا اللہ اس امر پر قادر نہ تھا کہ انقلاب بھی آجاتا اور محمدؐ کے پاؤں میں کانٹا بھی نہ چبھتا ۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ یہ ہوسکتا تھا، لیکن ہوا نہیں ۔ کیوں نہیں ہوا؟ سوچئے کیوں نہیں ہوا؟ خدا کیلئے مجھے اس کا جواب دیجئے کہ ایسا کیوں نہیں ہوا ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا ہو گیا ہوتا تو مجھ پر اور آپ پر حجت قائم نہ ہوتی ۔

انقلاب صرف عرب میں لانا مقصود نہیں تھا ۔ اسے پوری دنیا میں لانا تھا اور وہ انسانوں کے ہاتھوں آنا تھا ۔ معجزے تو رسولوں کے لئے ہیں ۔ عام انسانوں کے لئے تو نہیں ہیں ۔ آگے جو کام کرنا تھا، ان کے لئے اسوہ کیسے بنتا اگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف پہنچی ہوتی ۔

اس لفظ اُسوہ کو یہاں سمجھئے ۔ اللہ کر سکتا تھا ۔ اس نے نہیں کیا ۔ اس کا حکم تو یہی تھا کہ "اے محمدؐ جھیلو، برداشت کرو" ۔ اللہ کی شان بہت

اعلیٰ وارفع ہے اسس لئے سرف بطور تفہیم بہت ڈرتے ڈرتے عرض کرتا ہوں کہ اگر ہم اپنے احساسات پر قیاس کریں تو کیا بیتی ہو گی اللہ پر ! جب طائف میں اس کا محبوب پتھروں کی زد میں تھا ـــــــــــــــــــ ـــــــــــ جب تالیاں پٹ رہی تھیں — لیکن اسس کا فیصلہ یہی تھا کہ اے محمدؐ صبر کرو، جھیلو، برداشت کرو — وہی بات جو آں جنابؐ اپنے صحابہؓ سے کہہ رہے ہیں — جیساکہ میں آل یاسر پر ظلم و ستم کے واقعے کے دوران آپ کو سنا چکا ہوں اسی طرح مکی دور میں مختلف مصائب و شدائد اور ایذا رسانی، جور و تعدی، طنز و استہزاء کے مختلف مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وحیِ الٰہی کے ذریعے یہ ہدایات مل رہی ہیں کہ : وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ط — فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ط — فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُولُونَ ط — مختلف اسالیب سے صبر کی ہدایت اور تلقین — فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ط "جیسے ہمارے اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے ویسے آپ بھی صبر کیجئے" — وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ "صبر کیجئے اور آپ کا سہارا بس اللہ ہی ہے —" یعنی صبر کے لئے بھی کوئی سہارا چاہیئے تو آپ کا سہارا ہم خود ہیں — فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُن كَصَاحِبِ الْحُوتِ ط — "پس صبر کیجئے اور اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجئے کہیں مچھلی والے کی طرح جلدی نہ کر لیجئے گا"۔ وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ط — "اور صبر کیجئے اللہ محسنین یعنی خوب کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا"۔ یہ سب کچھ کیوں ہے؟ اس کو جانیئے اور سمجھئے، یہ اس لئے ہے کہ جناب محمدؐ کی ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے لئے اُسوہ بننا تھا — یہ سب کچھ نہ ہوتا تو آپؐ کی ذات گرامی ہمارے لئے اُسوہ کیسے بنتی ! — یہ مجھ پر حجت ہے — آپ پر حجت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کیا، وہ خالص انسانی سطح (Human Level) پر کیا ہے، سارے دُکھ اُٹھا کر کیا ہے — فاقے جھیل کر کیا ہے — پتھراؤ برداشت کر کے کیا ہے — قید و بند کی تکالیف اٹھا کر کیا ہے، اپنے دندان مبارک شہید کروا کر کیا ہے — اپنے عزیزوں اور جاں نثاروں کے لاشے

اپنی آنکھوں سے دیکھ کر کیا ہے - پیٹ پر ایک نہیں دو پتھر باندھ کر کیا ہے - یہ سارے مصائب جھیلے ہیں، تب انقلاب برپا ہوا ہے اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جو تکالیف برداشت کیں، جب ہی یہ سب ہمارے لئے اُسوہ اور قابل اتباع سُنّت بنا — لہٰذا غور کیجئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ مطہرہ کا سب سے زیادہ نمایاں اُسوہ کیا ہوا؟ یہ ساری گفتگو لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ کے تحت ہو رہی ہے - یہ دو اسوے تو ہوئے مجموعی اُسوے — یعنی بحیثیت مجموعی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد خالصتاً انقلابی جدوجہد کے مشابہ ہے - یہ پہلا اُسوہ ہے دوسرا اُسوہ یہ ہے

یہ ساری جدوجہد انسانی سطح (Human level) پر قدم بقدم مصائب و تکالیف، جور و تعدی اور ظلم و ستم جھیل کر ہوئی ہے -

اس موقع پر مبادا کوئی اشکال پیدا ہو جائے یا مغالطہ لاحق ہو جائے لہٰذا عرض کر دوں کہ اللہ تعالےٰ کی نصرت و تائید آئی ہے - لیکن اس نصرت و تائید کا دروازہ اب بھی کھلا ہوا ہے — ؎

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو — اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی!

نصرت و تائید کب آئی ہے؟ یہ اس وقت آئی ہے جب مومنین صادقین جو کچھ کر سکتے تھے وہ سب کر گزرے - اس سے پہلے نصرتِ الٰہی نہیں آیا کرتی - اس نصرت کی لازمی شرط تو یہ ہے کہ: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ ہ (سورۃ محمد) "اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا" غزوہ بدر کے موقع پر جنگ سے ایک رات قبل نبی اکرمؐ نے دعا فرمائی تھی کہ "اے اللہ! میں نے پندرہ برس کی کمائی لا کر میدان میں ڈال دی ہے - اگر کل یہ شہید ہو گئے تو دنیا میں تیرا نام لینے والا کوئی نہیں ہوگا، اس لئے کہ میں آخری رسول ہوں اور میری پندرہ برس کی کمائی یہ ہے جو دین کی سربلندی کے لئے میں نے میدان میں لا ڈالی ہے -" چنانچہ

بدر کے معرکہ میں اللہ کی نصرت آئی اور ۳۱۳ بے سروسامان مومنین صادقین کے ہاتھوں کیل کانٹے سے لیس ایک ہزار لشکر کو شکست نصیب ہوئی۔ لیکن ہمارا یہ حال ہے کہ بچ بچ کر اور تحفظ کا خیال رکھ رکھ کر اور اپنی جیبوں کو سکیڑ سکیڑ کر رکھنے کے ساتھ ہم یہ اُمید رکھیں کہ اللہ کی تائید و نصرت ہمیں حاصل ہو جائے تو ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ اپنے حلوے مانڈے میں ہم کوئی کمی کرنے کے لئے آمادہ نہیں، کاروبار میں سود شامل ہے تو اس کو چھوڑنے کے لئے ہم تیار نہیں کیونکہ اس طرح تو کاروبار سمٹ اور سکڑ جائے گا۔ دین کے کام کے لئے وقت لگائیں تو پھر ہمارا یہ cad-re اور STATUS کیسے برقرار رہے گا! ۔ ہم تو بچ بچ کر آرام سے گھروں میں بیٹھے رہیں اور یہ چاہیں کہ اللہ اپنی نصرت و تائید لئے ہمارے پیچھے پیچھے آئے کہ لیجئے میری نصرت و تائید قبول فرمالیجئے، تو یہ ہونے والی بات نہیں ہے۔ ع
این خیال است و محال است و جنوں است ۔ یہ کبھی نہ ہوا ہے اور نہ کبھی ہوگا۔ محبوب ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کے ساتھ نہیں ہوا تو ہمارے سر پہ کون سا سرخاب کا پر لگا ہوا ہے کہ ہمارے ساتھ یہ معاملہ ہو جائے گا۔ کبھی نہیں ہو سکتا ۔ ہوتا تو نبی اکرمؐ کے ساتھ ہوتا۔ اس معاملے میں استثناء (Exception) اگر ہوتا تو اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ آپؐ ہی ہو سکتے تھے۔

نصرت و تائید کی بات چل رہی تھی تو آپ کو یہ بھی بتا تا چلوں کہ یوم طائف کے موقع پر نبی اکرمؐ نے جو دُعا کی تھی جس کے بارے میں یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ: ع اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ فوراً ملک الجبال حاضر ہوتا ہے، وہ فرشتہ جو پہاڑوں کی دیکھ بھال کیلئے مامور ہے اور عرض کرتا ہے کہ "حضور! اللہ نے مجھے آپؐ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ اگر آپ حکم دیں تو میں ان پہاڑوں کو ٹکرا دوں جن کے مابین وادی میں طائف کا شہر واقع ہے تاکہ اس کے رہنے والے پس کر سُرمہ بن جائیں" ۔ اس پہ رحمۃ للعٰلمین ارشاد فرماتے ہیں کہ "میں لوگوں کے عذاب کے لئے نہیں بھیجا گیا ۔ اگرچہ یہ لوگ مجھ پر ایمان نہیں لائے لیکن کیا عجب! ان کی آئندہ نسلوں کو اللہ تعالےٰ

ایمان کی توفیق عطا فرمائے"۔ دیکھ لیجئے کہ جس موقع پر غیبی نصرت بھیجی گئی وہ کون سا موقع تھا۔ یہ وہ موقع تھا کہ جس سے زیادہ سخت دن خود حضورؐ کے بقول آپؐ کی زندگی میں کوئی اور نہیں گزرا — اس سے پہلے بھی خفی غیبی امداد و نصرت ہوئی ہے۔ لیکن نصرت الٰہی کا اصل ظہور ہوتا ہے یوم طائف کے بعد۔ فوری طور پر تو ملک الجبال کی حاضری ہے۔ لیکن اب ٹھنڈی ہوائیں یثرب کی طرف سے آنے لگیں۔ آپؐ تو مکہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے لیکن نصرت و حکمت الٰہی نے مدینہ منورہ کی طرف کی کھڑکی کھول دی — یوم طائف کے سلسلہ میں مولانا مناظر الاحسن گیلانی مرحوم نے اپنی کتاب "النبی الخاتم" میں بہت ہی عمدہ نکتہ ارشاد فرمایا ہے کہ "یوم طائف نبی اکرمؐ کی زندگی کا TURNING POINT تھا۔ اس دن تک اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبیؐ کو دشمن کے حوالے کیا ہوا تھا کہ جس طرح چاہو ہمارے رسولؐ کے صبر کا امتحان لے لو، جس طرح چاہو اُن کی استقامت کو جانچ پرکھ لو ہمارے رسولؐ کی سیرت و کردار کو خوب ٹھونک بجا کر دیکھ لو — اس دن کے بعد نبی اکرمؐ کے لئے خصوصی نصرت اور تائید الٰہی کا ظہور شروع ہوتا ہے"۔

اب آیئے میں سیرت مطہرہ اور خاص طور سے اس اسوہ حسنہ کے اُن تین مراحل کے اعتبار سے ایک تجزیہ آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جن کا میں نے آغاز میں ذکر کیا تھا — اس کے بعد میں نے جو دو باتیں آپ کے سامنے بحیثیت مجموعی بیان کی ہیں کہ محض آرزو یا مرثیہ پڑھنے سے کچھ نہیں ہوتا — دین کا دل میں درد ہے تو کچھ کرو۔ یہاں مرثیہ پڑھنا اور رونا بہت آتا ہے۔ لیکن اگر یہ رونا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتماعی اُسوہ حسنہ کے ساتھ ہو تو یہ سونا ہے، اُس کے مطابق عمل نہیں ہے تو یہ ٹسوے ہیں، جو عورتیں بہایا کرتی ہیں، جنکی دنیا میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے — اب ذرا ان تین اجزا کو لیجئے، جن کو میں نے دو لفظوں کے جوڑوں کے ساتھ تین مراحل کے عنوانات کے تحت آپ کے سامنے پیش کیا تھا۔

سب سے پہلی بات یہ کہ "دعوت و تربیت" کے ضمن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کا اُسوہ یہ ہے کہ ان دونوں کاموں کا مرکز، مبنیٰ، مدار اور محور قرآن اور صرف قرآن رہا ہے - لوگوں کو ایمان کی دعوت دو، قرآن کے ذریعے - تذکیر کرو قرآن کے ذریعے - انذار کرو قرآن کے ذریعے - تبشیر کرو قرآن کے ذریعے نصیحت اور موعظت کرو قرآن کے ذریعے - بحث و مباحثہ اور جدال و محاجہ کرو، اس قرآن کے ذریعے - تبلیغ کرو قرآن کی - دعوت کے لئے یہی الفاظ ہیں اور کون سے الفاظ آئیں گے - اب ذرا ان الفاظ کے مطابق وہ ہدایات الٰہی سنیئے جو قرآن حکیم میں نازل ہوئی ہیں - ظاہر ہے کہ وقت کی قلت کی وجہ سے مجھے چند آیات پیش کرنے پر ہی اکتفا کرنا پڑے گا — فرمایا:

فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝ (ق) "پس یاد دہانی کراؤ تذکیر کرو بذریعہ قرآن ہر اُس شخص کو جو میری پکڑ اور سزا سے ڈرتا ہو" — وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (الانعام) "اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں بھی اس کے ذریعے تم کو خبردار کروں اور وہ بھی جن کو یہ (قرآن) پہنچے" — فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝ (مریم) "پس ہم نے اس کتاب کو (اے نبی) آپ کی زبان میں اس لئے سہل آسان بنایا کہ آپ اس کے ذریعے خدا ترسوں کو بشارت پہنچا دیں اور جھگڑالو قوم کو اس کے برُے انجام سے آگاہ اور خبردار کر دیں" — اس آیت میں خاص بات نوٹ کرنے کی یہ ہے کہ تُبَشِّرَ کے ساتھ بھی بِهٖ اور تُنْذِرَ کے ساتھ بھی بِهٖ — یعنی دونوں کام بشارت و انذار اسی کتاب "قرآن" کے ذریعے ہوں گے - ابھی اور دیکھئے فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (المائدہ) "اے ہمارے رسول! پہنچا دیجئے جو کچھ نازل کیا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے" — تبلیغ کس کی؟ قرآن کی - اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ ۔ ۔ ۔ (بنی اسرائیل) "بے شک یہ قرآن اُس راستے کی رہنمائی کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے اور بشارت دیتا ہے ان اہل ایمان کو جو نیک عمل

کرتے ہیں . . . . ''ـــــ تبشیر دینے والا کون؟ قرآن ـــ اس انداز اور تبشیر بالقرآن کا ذکر سورہ کہف کے آغاز ہی میں بڑے مہتم بالشان انداز میں ہوا ـ فرمایا: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ وَلَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا ؕ قَیِّمًا لِّیُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِیۡدًا مِّنۡ لَّدُنۡہُ وَیُبَشِّرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمۡ اَجۡرًا حَسَنًا ۙ ـ ''شکر کا سزاوار ہے وہ اللہ، جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری اور اس میں اس نے کوئی کجی نہیں رکھی ـ بالکل سیدھی اور ہموار و استوار، تاکہ وہ اپنی جانب سے جھٹلانے والوں کو ایک سخت عذاب سے آگاہ کرئے اور ایمان لانے والوں کو، جو نیک عمل کر رہے ہیں، اس بات کی خوشخبری سنا دے کہ ان کیلئے بہت اچھا اجر ہے'' ـــ میں نے جو آیات آپ کو سنائیں ـ ان سب کا حاصل یہ نکلا کہ :-

دعوتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا مرکز و محور (Axis) مبنیٰ و مدار صرف اور صرف قرآن ہے، انذار ہو یا تبشیر، تبلیغ ہو یا تذکیر، مباحثہ ہو یا مجادلہ، موعظہ ہو یا نصیحت ـ یہ تمام کام صرف قرآن مجید ہی کے ذریعے سرانجام دیتے جائیں گے!!

''دعوت'' کا لفظ'' ہمارے دین کی غالباً سب سے جامع اصطلاح ہے ـ جس کے ضمن میں سورہ نحل کی اس آیت سے استشہاد کیا جا سکتا ہے، جس میں دعوت کے ضمن میں یہ جامع و مانع ہدایت دی گئی کہ: اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَجَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ ؕ ''دعوت دو، بلاؤ، پکارو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت کے ساتھ اور موعظہ حسنہ کے ساتھ اور مباحثہ و مجادلہ کرو اس طور سے جو نہایت ہی عمدہ ہو'' یہ ہے اسوہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ـــ سیرتِ مطہرہ میں پڑھ

لیجئے - کہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طویل تقریر و خطاب فرمایا ہو - جہاں تشریف لے گئے تو یہی فرمایا کہ " میرے اوپر اللہ کی طرف سے ایک کلام نازل ہوا ہے اُسے سن لو" ۔ معلوم ہوا کہ فلاں وادی میں کوئی قافلہ آکر اترا ہے تو وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا تو یہ فرمایا کہ "لوگو! میرے پاس اللہ کا اتارا ہوا کلام ہے، وہ میں تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں"۔ مجمعوں میں آپؐ قرآن پڑھا کرتے تھے - یہ تو ہمیں مصیبت ہے کہ قرآن کا ترجمہ کرو - اس کا مطلب اور مفہوم سمجھاؤ وہاں معاملہ یہ تھا کہ از دل خیزد بر دل ریزد - وہاں تو حال یہ تھا کہ نبی اکرمؐ کی زبان مبارک سے قرآن سنا اور سعید روح کے قلب وذہن اور رگ وپے میں سرایت کر گیا - قرآن اور محض قرآن سن کر جو جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مشرف بہ ایمان ہوئے ان کے نام گنوانے لگوں تو بڑی طویل فہرست ہو جائے گی - عمر بن الخطاب کو عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنایا کس نے؟ قرآن نے، ع دگر گوں کرد تقدیر عمرؓ را - یہ سورہ طٰہٰ کی معجز نمائی تھی، جس نے عمرؓ کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا —

ابوذر غفاریؓ کو جو ڈکیتی کا پیشہ رکھنے والے ایک قبیلے کے فرد تھے اس مقام تک کس نے پہنچایا کہ "رہزنان از حفظ او رہبر شدند" جن کے متعلق نبی اکرمؐ فرماتے ہیں کہ جس نے زہد عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھنا ہو تو میرے ساتھی ابوذرؓ کو دیکھ لے"۔ قرآن نے — لبیدؓ شعرائے سبعہ معلقہ کے سلسلے کے آخری شاعر ہیں، ان کے ایک شعر پر سوق عکاظ میں تمام شعرائے وقت نے ان کو سجدہ کیا تھا - وہ ایمان لے آئے - قرآن کے ذریعے — کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ اب شعر نہیں کہتے تو جواب ملا کہ: أَبَعْدَ القرآن یعنی قرآن کے نزول کے بعد میری یہ مجال کہ میں شاعری کے میدان میں طبع آزمائی کروں — طفیلؓ دوسی یمن کے رہنے والے خود قادر الکلام شاعر — جب مکہ آئے تو قریش کے بہکانے پر کانوں میں روئی ٹھونس لی کہ مبادا کانوں میں کلام اللہ پڑ جائے - لیکن ایک دن خود ہی رسالت مآبؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن سننے کی فرمائش کرتے ہیں اور جیسے ہی کچھ حصہ سنتے ہیں - بے اختیار پکار اُٹھتے ہیں کہ یہ کسی

انسان کا کلام ہو ہی نہیں سکتا ۔ بے شک یہ وحی الٰہی ہے ۔۔ اور اسی وقت مسلمان ہو جاتے ہیں ۔۔ الغرض اس کتاب کے طفیل جو رہزن تھے وہ رہبر بن گئے، جو اُمّی تھے، ان پڑھ تھے وہ دُنیا کے لئے معلّم بن گئے ۔ جو زانی و شرابی تھے ۔ وہ عصمتوں کے محافظ اور مکارم اخلاق کے علمبردار بن گئے ۔ یہ سب کچھ قرآن کی معجز نمائی تھی ۔۔ میری اس گفتگو کا نتیجہ بھی یہ نکلا کہ :۔

گویا دعوت و انقلاب نبویؐ کا اساسی منہج عمل پورا کا پورا قرآن مجید کے گرد گھومتا ہے ۔ یا سادہ الفاظ میں یوں کہہ لیا جائے کہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آلۂ انقلاب ہے، قرآن حکیم !

اس بات کو مولانا حالی مرحوم نے تو نہایت سادہ اور سلیس الفاظ میں یوں بیان کیا کہ ؎

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا ۔۔۔ اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی ۔۔۔ عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

اسی بات کو علامہ اقبال مرحوم نے یوں سمو دیا کہ ؎

مصطفےٰ اندر حرا خلوت گزیں ۔۔۔ قوم و آئین و حکومت آفریں

پھر علامہ مرحوم نے حد درجہ پُرشکوہ الفاظ میں اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے کہ:

؎ گر تو خواہی مُسلماں زیستن ۔۔۔ نیست ممکن جُز بقرآں زیستن!
آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم ۔۔۔ حکمتِ اُو لایزال است و قدیم
فاش گویم آنچہ در دل مضمر است ۔۔۔ ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
مثلِ حق پنہاں و ہم پیدا ست اُو ۔۔۔ زندہ و پائندہ و گویا ست اُو
چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود ۔۔۔ جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود!

اب ایک بات اچھی طرح سمجھ لیجئے ۔ اگر کوئی دعوت اس قرآن سے پرے پرے دی گئی ہو ۔۔ قرآن کو By Pass کر کے دی گئی ہو ۔۔ قرآن کے بجائے کسی شخصیت کے لٹریچر کے بل پر چل رہی ہو ۔۔ کسی اور کی تصانیف پر چل رہی ہو، وطنیت و قومیت کے نام پر چل رہی ہو تو وہ اُسوۂ رسول سے ہٹی

ہوئی ہے ۔ اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کہتا ـــ اُسوۂ رسول کیا ہوگا؟ وہ یہ ہوگا کہ دعوت و تبلیغ، انذار و تبشیر ـ تلقین و نصیحت ان سب کا مبنیٰ، مدار، مرکز و محور صرف اور صرف قرآن ہوگا ـــ اُسوۂ حسنہ کے ضمن میں تیسری بات یہ نوٹ کرلیجئے ۔

اب آیئے چوتھی بات کی طرف ۔ وہ ہے **تربیّت** ۔ یہ معاملہ سب سے زیادہ تکلیف دہ معاملہ ہے ۔ تزکیۂ نفس کے بارے میں تو یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ شاید اس کے لئے یہ قرآن تو مفید ہے ہی نہیں ـــ یہ کتاب اللہ اس کام کیلئے مؤثر ہی نہیں ہے ۔ لہٰذا ذکر کے طریقے کچھ اور ایجاد کرنے پڑیں گے ۔ تربیت کا کوئی دوسرا نظام بنانا پڑے گا ۔ نبی اکرمؐ کا اُسوہ تو اس کے لئے مکمل رہنمائی نہیں کرسکتا۔ اس کے لئے دلیل یہ دی گئی ہے کہ آں حضورؐ کی شخصیت کا جو اثر ہوتا تھا وہ اب ہمارے لئے ممکن نہیں ہے چونکہ آپؐ کا وجود قدسی ہمارے درمیان موجود نہیں ۔

لہٰذا اس کے لئے کچھ اور طریقے سوچنے اور اختیار کرنے ہوں گے ۔ اس حلقے میں جو دیانت دار اور خدا ترس لوگ ہیں، وہ یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ جو چیزیں اور طریقے ہمارے ہاں تربیت، تزکیہ اور سلوک کے رائج ہیں، وہ مسنون بہرحال نہیں ہیں، تصوف کے جتنے بھی دین سے قریب تر سلاسل ہیں، وہ سب اس بات کو مانتے ہیں ـــ دیانت کا تقاضا ہے کہ ہم بھی اس کو تسلیم کریں ۔ ہم کہاں سے دلیل لائیں گے کہ ضربیں لگانے کے طریقے کو مسنون ٹھہرا سکیں ۔ یہ بات بہرحال نہ کسی حدیث سے ثابت ہے نہ کسی صحابی سے نہ کسی تابعی سے ۔ جو حضرات اس کے قائل ہیں وہ زیادہ سے زیادہ جو عذر و معذرت (Plea) لاتے ہیں، وہ یہ ہے کہ ان طریقوں کو انہوں نے اپنے تجربات میں مفید پایا ہے ۔ ٹھیک ہے، مجھے اس سے انکار نہیں ۔ ایسا ممکن ہے کہ یہ طریقے مفید ہوں ۔ لیکن یہ مانیئے اور اس کا اعلان بھی کیجیے کہ یہ طریقے مسنون نہیں ہیں ۔ یہ طریقے اُسوۂ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے مطابقت نہیں رکھتے ـــ کیا ایسے حضرات کا یہ خیال ہے کہ جناب محمدؐ نے تزکیہ نہیں کیا!

صلی اللہ علیہ وسلم ۔ قرآن حکیم میں تین مقامات پر تلاوت کے بعد تزکیہ ہی کا ذکر آتا ہے ۔ يَتْلُوْا آيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ ــــ اس تزکیہ کا ذریعہ کیا ہے؟ دعوت و تبلیغ کا مدار اور انذار و تبشیر کا مرکز و محور قرآن ہے اور تذکیر و نصیحت کا منبع بھی قرآن ہی ہے، اس بات کو تو آپ نے قرآن کی آیات ہی سے سمجھ لیا۔ اس کے سمجھنے کا معاملہ آسان ہے البتہ تزکیہ کا معاملہ تھوڑا سا باریک ہے ۔ تزکیہ و تربیت کے لئے بھی آپ کو ہر حال میں قرآن ہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا ۔ آیئے اس بات کو قرآن ہی سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ سورۂ یونس میں فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۔ دل کے تمام امراض دینیہ و اخلاقیہ کے لئے شفاء یہ قرآن مجید ہے ــ ذکر یہ قرآن ہے : اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ : (الحجر) جو ذکر اس کو By Pass کرے گا۔ اس کے متعلق میں کم سے کم یہ کہوں گا کہ وہ غیر مسنون طریقے پر عمل کر رہا ہے ۔ امراض قلبیہ و صدریہ کا علاج اس سے علیحدہ علیحدہ کیا جائے گا وہ اُسوہ رسولؐ نہیں ہوگا ۔ اپنی جگہ مؤثر ہوا کرے ــ اُسوۂ رسول کے نقشے سے وہ ہٹا ہوا ہے ۔ دیکھیے ہمارے ہاں ایک ہے 'وعظ' ۔ یہ وعظ ہمارے ہاں گالی بن گیا ہے۔ لوگ پھبتی چست کرتے ہیں، لو جی وعظ کہہ رہے ہیں ۔ گویا بہت گھٹیا سی بات کہی جا رہی ہے ۔ یہ دور دور کی چھاپ ہوتی ہے ۔ ایک زمانے میں ایسے وعظ ہوا کرتے تھے جو بہت مؤثر ہوتے تھے ۔ سامعین ان سے اپنے قلوب میں گداز اور ایک روشنی محسوس کرتے تھے، ان کے جذبات کو جِلا ملتی تھی ۔ اب یہ وعظ گالی بن گیا ہے ــ لیکن ہمارے ہاں میری یادداشت کے مطابق جو 'وعظ' ہوا کرتے تھے ان میں بھی قرآن نہیں ہوتا تھا (الا ماشاء اللہ) اکثر وعظ 'مثنوی مولوی معنوی' کی بنیاد پر ہوتے تھے ۔ اس کی بھی ایک تاثیر تھی اس سے انکار نہیں ــ لیکن اکثر ہوتا یہی تھا کہ ایک خاص ترنم آمیز لہجے میں مثنوی کو پڑھا جاتا تھا ۔ میرے ہوش کے زمانے میں اکثر وعظوں کی یہی نوعیت ہوتی تھی جو میں نے خود سنے ہیں ــ قرآن کہتا ہے کہ موعظہ حسنہ

اور نصیحت یہ قرآن ہی ہے - دلوں میں اترنے والی چیز یہ قرآن ہے، جذبات کو جلا بخشنے والی چیز یہ قرآن ہے : قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ - ان حقائق کو علامہ اقبال مرحوم نے اپنے زمانے میں خوب واضح کیا ہے جیساکہ انہوں نے بہت سے قرآنی حقائق کی اپنے اشعار میں نہایت عمدہ، اعلیٰ وارفع ترجمانی اور وضاحت کی ہے — چنانچہ وہ کہتے ہیں ؎ معنی اُو پست وحرف اُو بلند

الفاظ بڑے بھاری بھر کم اور معنی تلاش کرو تو ہیں ہی نہیں — دھواں دھار بات ہے لیکن معنی سے بالکل خالی — آگے علامہ کہتے ہیں ؎

از خطیب و دیلمی گفتار اُو　　　با ضعیف وشاذ و مرسل کار اُو

اپنے وعظوں کے لئے حدیث لائیں گے تو کوئی بہت ہی ضعیف یا شاذ حدیث لائیں گے - واعظوں کی یہ بڑی کمزوری تسلیم کی گئی ہے کہ ان کے وعظ میں اکثر بیشتر کمزور وضعیف حدیثیں ہوتی ہیں - امام غزالی رح اس سے نہ بچ سکے - "احیاء العلوم" جیسی کتاب بھی اس سے مبرا نہیں - البتہ اس میں یہ بات ہے کہ وہ کسی موضوع پر آٹھ حدیثیں صحیح درج کرنے کے بعد دو تین ضعیف حدیثیں بھی شامل کر دیتے ہیں - پتہ نہیں ایسا کیوں ہوا! شاید ان کا جی بھرتا نہیں تھا اور وہ چاہتے تھے کہ دو تین دلیلیں اور دوں۔ حالانکہ وہ بات صحیح احادیث سے ثابت ہو جاتی تھی - لیکن پھر بھی وہ کچھ ضعیف احادیث بھی لے آتے تھے - لیکن ہمارے ہاں جو عام واعظین ہیں ان کا حال یہ ہے کہ ساری گفتگو اور وعظ کا مرکز ومحور صرف ضعیف احادیث ہوگا - اِلَّا مَا شَآءَ اللہ - وہ خطیب بغدادی کی ہوگی یا دیلمی کی ہوگی۔ وہ شاذ ہوگی یا مرسل ہوگی یا ضعیف ہوگی ؎

از خطیب و دیلمی گفتار اُو　　　با ضعیف وشاذ و مرسل کار اُو

مطلب کیا ہے کہ اگر کسی چیز سے ہمارے واعظین کو اعتنا نہیں ہے تو وہ یہ قرآن ہے — مولانا شبیر احمد عثمانی رح نے اپنے والد مرحوم کے یہ حد درجہ سادہ مگر پُر تاثیر اشعار حواشی ترجمہ قرآن میں درج کیے ہیں ؎

سُنتے سنتے نغمہ ہائے محفلِ بدعات کو — کان بہرے ہوگئے دل بے مزہ ہونے کو ہے۔
آؤ سنوائیں تمہیں وہ نغمہ مشروع بھی — کہ وہ جس سے عاشقاً متصدعاً ہونے کو ہے۔

میں ان اشعار کے حوالے سے ابھی کراچی میں یہ بات کہہ کر آیا ہوں جو مجھے اس وقت یاد آگئی کہ ایک محفلِ سماع جناب محمد کی بھی ہوتی تھی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ لیکن اس میں کیا سنا جاتا تھا! قرآن — وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا (الاعراف) "اور جب قرآن تمہارے سامنے پڑھا جائے۔ تو اسے توجہ سے، دھیان سے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو"۔ حدیث صحیح موجود ہے حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ ان سے فرمائش کر کے نبی اکرم صؐ نے قرآن کریم سننا چاہا تو انہوں نے عرض کیا کہ حضورؐ آپ کو سناؤں! آپؐ پہ تو قرآن نازل ہوا ہے۔ لیکن آں جنابؐ نے فرمایا کہ ہاں سناؤ مجھے دوسروں سے سن کر حظ اور لطف حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے سورۃ النساء پڑھنی شروع کی اور جب اکتالیسویں آیت پر آئے تو حضورؐ نے روکا حَسْبُكَ، حَسْبُكَ۔ بس کرو، بس کرو۔ حضورؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے جب حضرت عبداللہؓ نے یہ آیت پڑھی: فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ "پس سوچو کہ اس وقت کیا ہوگا جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان لوگوں پر (اے محمدؐ) تمہیں گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے۔" یہ ہے سماع جناب محمد رسول اللہ علیہ وسلم کا — وعظ کا مقصد کیا ہے اجذبات کے اندر ایک حرارت پیدا کرنا — کیا یہ حرارت قرآن سے پیدا نہیں ہوتی؟ گویا اس طریقے سے تزکیہ نفس کے لئے تو غالباً یہ دنیا کی ناکام ترین کتاب سمجھی گئی ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ نہایت افسوس کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ قرآن حکیم کی سب سے زیادہ ناقدری اس کوچے میں آکر ہوئی ہے۔ اس کا مرثیہ بھی اقبال نے کہا ہے —

صوفیٔ پشمینہ پوش حال مست — از شرابِ نغمۂ قوال مست!
آتش از شعرِ عراقی در دلش — در نمی سازد بقرآں محفلش!

عراقی کا جامی کا یا رومی کا شعر سنیں گے تو حال میں آجائیں گے۔ قرآن سُنیں گے تو کوئی اثر ہی نہیں ہوگا بلکہ قرآن ان کی محفلوں میں جگہ ہی نہیں پاتا۔ آخر یہ کیا مصیبت ہے۔ حالانکہ اگر جذبات کی جِلا، ان میں حرارت اور سوز و گداز و کیف و سرور کی کیفیات مطلوب ہوں تو اس مقصد کے لئے بھی یہ قرآن ہے جو جناب محمد پر اترا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان کے لئے بھی سب سے بڑا منبع و سرچشمہ قرآن مجید ہی ہے۔

اُسوۂ حسنہ کے ضمن میں اب تک قدرے تفصیل کے ساتھ میں نے جو اُسوے گنوائے ہیں، انہیں پھر ذہن میں تازہ کر لیجئے۔ پہلا اُسوہ ہے، دعوت و تبلیغ و انذار و تبشیر و موعظہ و تذکیر ان سب کو جمع کر لیجئے ان سب کا مرکز و محور، مبنیٰ و مدار ہے قرآن ــــ دوسرا اُسوہ ہے تزکیہ و تربیت، اس کی اساس، جڑ اور بنیاد بھی قرآن ہی ہے۔ ذکر قرآن۔ محفل سماع قرآن سے۔ وعظ قرآن سے۔ تطہیر فکر قرآن سے ہوگی اور فکر کی تطہیر ہوگی تو اعمال خود بخود درست ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ انسانی شخصیت مجموعہ ہے فکر و عمل کا اور یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں بایں معنی کہ "گندم از گندم بروید، جو زجو" کے مصداق غلط فکر، غلط عمل ہی کو جنم دے سکتا ہے اور صحیح عمل کے لئے صحیح فکر لازم و لابد ہے گویا اگر کسی انسان کی فکر کی تطہیر ہو جائے اور غلط افکار و نظریات اور فاسد خیالات اس کے قلب و ذہن سے پت جھڑ کے پتوں کی طرح جھڑتے چلے جائیں ۔ تو اعمال صالحہ اور اخلاقِ حسنہ کے برگ و بار بلا تکلف از خود نمایاں ہو جائیں گے۔ اسی عمل (Phenomenon) کو قرآن حکیم "یُکَفِّرْ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ" بھی قرار دیتا ہے اور "یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ" بھی۔ اور یہی ربط و تعلق ہے اس میں کہ تلاوت آیات کے متصلاً بعد تزکیہ کا ذکر قرآن میں آیا ہے: یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ ــــ واللہ اعلم۔

اب آیئے دوسرے مرحلے کی طرف یعنی تنظیم و ہجرت ــــ تنظیم کے ضمن میں جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا اسوہ رہا ہے! اب اس مسئلہ کو ہمیں سمجھنا ہے۔

اس میں تو کوئی شک نہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ کوئی ایسا فاتر العقل شخص اس مجلس میں نہیں ہوگا جو یہ سمجھتا ہو کہ تنظیم کے بغیر بھی کوئی اجتماعی کام ہو سکتا ہے! میں نے کراچی میں کہا اور آپ بھی سن لیجئے کہ اگر آپ کو لوگوں کی جیبیں کاٹنی ہوں تو بھی ایک تنظیم قائم کرنی پڑے گی - گرہ کٹوں کے بھی گروہ (Gangs) ہوتے ہیں - ڈاکہ ڈالنا ہو تو Gang بنانا ہوگا - سوشلزم لانا ہو تو آپ کو تنظیم بنانی ہوگی - اور اگر اسلام کے لئے کوئی کام کرنا ہے تو بھی تنظیم سے مفر نہیں ہے - اچھی طرح جان لیجئے لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِالْجَمَاعَةِ یہ حضرت عمرؓ کا قول ہے اور نبی اکرمؐ کا تو حکم ہے کہ اَنَا اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ: بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ - ہمارا آج کا مزاج اس سے کافی بعید چلا گیا ہے۔ بڑے بڑے اہل دانش و بینش اور صاحب علم و فضل کہتے ہیں "آجی جماعت کی کیا ضرورت ہے کام تو ہم بھی کر ہی رہے ہیں - نماز اور روزہ تو ہو ہی رہا ہے - کسی کی کوئی خدمت بھی کر دی جاتی ہے" — اگر واقعی کوئی کام کرنا ہے، اگر اسوۂ محمدیؐ پیش نظر ہے اور انقلاب محمدیؐ کو دنیا میں دوبارہ لانے کی سعی و جہد کرنی ہے تب تنظیم سے رستگاری نہیں ہو سکتی، تنظیم کے بغیر کچھ نہیں ہو سکے گا - آج کے دَور کا سب سے کٹھن کام یہی ہے — دیکھئے قرآن مجید (سورہ مریم) میں عرب کے لوگوں کو قَوْمًا لُدًّا کہا گیا ہے -" یہ بڑی جھگڑالو قوم ہے"۔ ہر ایک اپنی جگہ پر فرعون بے ساماں ہے، کون کسی کی سنے گا! کون کسی کے سامنے سر جھکائے گا! آج کا دور بھی ایسا ہی دور ہے کہ سب سقراط و بقراط ہیں، کون کسی کی سنے گا! لوگوں کے اپنے نظریات ہیں، خیالات ہیں، اختلاف ہے، یہ ہے، وہ ہے — چنانچہ اس دور میں کسی نظم کا پابند ہونا سب سے کٹھن کام ہے - کسی کی بات مانی جائے، کسی کا حکم مانا جائے، خود کو کسی ڈسپلن میں دے دیا جائے - سمع و طاعت کا نظم قبول کیا جائے۔ یہ بڑا مشکل اور کڑا کام ہے - میرے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کی جو قربانیاں ہیں، ان میں سب سے بڑا ایثار یہی تھا کہ اپنی شخصیت کی کامل نفی تھی اور انہوں نے اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس

میں گُم کر دیا تھا ۔ حالانکہ بہت سے دنیوی اعتبارات سے وہؓ نبی اکرمؐ سے آگے تھے ۔ حضورؐ کے پاس اپنا ذاتی سرمایہ کوئی نہیں تھا : وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰی ۝ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو جب غنی کیا ہے تو سرمایہ اہلیہ محترمہ کا تھا ۔ 'نقل کفر کفر نہ باشد' طائف والوں نے یہی طعنے تو دیئے تھے کہ اللہ کو ایک مفلس و قلاش کے سوا اپنا نبی بنانے کے لئے کوئی اور نہیں ملا تھا ۔۔ مکّہ والے بھی کہا کرتے تھے کہ اللہ کو نبی بنانا تھا تو دو عظیم شہروں (مکّہ اور طائف) کے کسی صاحب ثروت سردار کو بنانا تھا ۔۔۔ حضورؐ کے پاس قریش کے اُس قبائلی نظام کا کوئی منصب نہیں تھا ۔۔۔ اور ابو بکرؓ کے پاس سب سے زیادہ Sensitive اور سب سے زیادہ Touchy یعنی نازک اور سریع الاثر منصب تھا ۔ یعنی دیت کا فیصلہ کرنا آپؓ کے اختیار میں تھا کہ کسی مقتول کا کتنا خون بہا دیا جائے گا ۔ گویا اُس معاشرے میں کسی کی معاشرتی حیثیت (SOCIAL STATUS) کے تعین کرنے کا کام آپ کے سپرد تھا ۔ اس سے آپ اندازہ لگا لیں کہ اُس معاشرے کے قبائلی نظام میں حضرت ابو بکرؓ کو کیا مقام حاصل تھا! لیکن انہوں نے اپنی شخصیت کی ایسی نفی کی ہے اور اس طرح گم کیا ہے اپنے آپ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں کہ "ابو بکر" تو نظر ہی نہیں آتے ۔۔۔ نظر تو وہ آتا ہے جو اختلاف کرتا ہے ۔ ایسے شخص کی شخصیت علیحدہ اور جدا نظر آئے گی جہاں کسی درجے میں اپنی بات کہی جائے ۔ لیکن جس کی اپنی کوئی بات ہی نہیں ہے جو خود کو گم کر چکا ہو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں ، وہ کہاں نظر آئے گا ۔ یہ ہے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سب سے بڑا ایثار اور سب سے بڑی قربانی ۔

آج جو سب سے بڑا خناس ہمارے دماغوں میں بیٹھا ہوا ہے وہ یہی انانیت ہے ۔ کوئی نظم ہو گا اور کوئی تنظیم ہو گی تو بہر حال اس کے امیر اور اس کے نظام العمل کی پابندی بھی کرنی ہو گی ۔ لہٰذا اپنے آپ کو اس "کھکیڑ" سے بچانے کے لئے یہ فلسفہ تراش لیا جاتا ہے کہ آج کسی جماعت یا تنظیم کی ضرورت ہی کیا ہے ، دین کا کام کسی نہ کسی درجے میں ہم بھی کر ہی رہے

ہیں ۔ جماعتیں اور تنظیمیں تو عموماً فتنہ بن جایا کرتی ہیں ۔ اس لئے اس سے حذر ہی بہتر ہے ۔ ان حیلوں سے دل کو مطمئن کر لیا جاتا ہے لوگ سڑک پر چلتے ہوئے حادثے کا شکار ہو جاتے ہیں ۔ لیکن اس کے باوجود باہر نکلنا ترک نہیں کر سکتے ۔ دل میں اصل چور یہی ہے کہ میں کیوں کسی کی مانوں ۔ لیکن یہ جان لیجئے کہ تنظیم و جماعت کے بغیر دنیا میں کبھی کوئی کام نہیں ہو سکتا ۔۔۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ حسنہ کی روشنی میں مجھے تنظیم و ہجرت کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے ۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنظیمیں دو نوعیتوں کی تھیں ایک تنظیم کی نوعیت تو یہ تھی کہ آپؐ کے بربنائے نبی و رسول ہونے کے جو شخص آپؐ پر ایمان لے آیا ۔ اس نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا تو وہ خود بخود بحیثیت مؤمن اور آپ کا مطیع و فرماں بردار ہو گیا ، اور آپ سے آپ اس بڑی تنظیم میں شامل ہو گیا جس کو اُمتِ مسلمہ سے موسوم کیا جاتا ہے ۔۔ اب کسی دوسری تنظیم کی حاجت ہی نہیں ۔ ۔۔۔۔۔۔ وہ حضورؐ کے احکام کا پابند ہے ۔ اس سے سرمو انحراف کرے گا تو اس کا ایمان ہی سلامت نہیں رہے گا ۔ اس سے زیادہ مضبوط تنظیم کا دُنیا میں وجود ممکن ہی نہیں ہے ۔ دنیا میں ہر شخص کی رائے سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اختلاف ممکن نہیں ۔ اختلاف کیا تو ایمان کی خیر نہیں رہے گی ۔ اختلاف کرنا تو دور رہا ، بات مان بھی لی ہے لیکن اگر دل میں کوئی اضطراب یا تنگی رہ گئی تو بھی ایمان کی خیر نہیں ۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ○ (النساء) "اے محمدؐ! آپؐ کے رب کی قسم یہ ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپؐ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں ، پھر جو کچھ آپؐ فیصلہ کریں اس پر اپنے دل میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں بلکہ سربسر تسلیم کر لیں "۔ آپ حضرات نے دیکھا کہ آنجنابؐ کے حکم کو تسلیم نہ کرنے پر ہی نہیں بلکہ آپ کے فیصلوں کو خوش دلی سے قبول نہ کرنے پر بھی ایمان کی نفی کی جا رہی ہے اور اللہ اپنی ذات تبارک و

تعالیٰ کی قسم کھا کر نفی فرما رہے ہیں — پھر دیکھئے سورۃ الحجرات میں فرمایا:
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ "اے اہل ایمان! مت بلند کرو اپنی آوازوں کو نبیؐ کی آواز پر اور نہ اُن سے گفتگو میں اپنی آواز کو اس طرح نمایاں کرو جس طرح تم باہم ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہوئے بلند آوازی اختیار کرتے ہو مبادا تمہارے سارے اعمال حبط و برباد ہو جائیں - تمہاری ساری نیکیاں اکارت ہو جائیں - تمہارے اب تک کے کئے کرائے پر پانی پھر جائے اور تمہیں شعور و احساس تک نہ ہو —" شعور و احساس جب ہوتا ہے جب انسان یہ سمجھے کہ وہ نبی اکرمؐ کی کسی نافرمانی کا ارتکاب کر رہا ہے — غور کیجئے کہ یہاں نافرمانی حکم عدولی اور معصیتِ رسولؐ کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوا بلکہ مجرد سوئے ادب کی وجہ سے سارے اعمال کے حبط ہونے کی وعید سنائی جا رہی ہے - اور آگے چلئے اور دیکھئے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اطاعتِ رسول کے لئے کتنا محکم اور غیر مبہم ضابطہ و قانون بیان فرما دیا ہے: مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ — "جس نے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اطاعت کی پس اس نے اللہ کی اطاعت کی" — اسی ضمن میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بھی سن لیجئے کہ: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ — "تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اسکی خواہش نفس اس ہدایت کے تابع نہ ہو جائے جو میں لیکر آیا ہوں —" قرآن وحدیث کی یہ تعلیمات و ہدایات پیش نظر رکھئے اور غور کیجئے کہ اس سے زیادہ مضبوط کسی اور تنظیم کا آپ تصور کر سکتے ہیں -!

واقعہ یہ ہے کہ میں نے اس مسئلہ پر کافی طویل عرصے تک بہت غور کیا ہے اور آپ کو بھی غور و فکر کی دعوت دیتا ہوں کہ آپ بھی خوب اچھی طرح غور کیجئے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع اور اوقات میں صحابہؓ سے جو بیعتیں لی ہیں، ان کی ضرورت ہی نہیں تھی — نبی اکرمؐ ...

مطاع ہیں پھر بیعت کی ضرورت کیا ہے؟ غزوۂ بدر سے پہلے جو مشاورت ہوئی ہے کہ قافلے کا رُخ کیا جائے جس میں صرف پچاس نفوس ہیں یا اس لشکر کا جو پوری طرح کیل کانٹے سے لیس اور ایک ہزار جنگجوؤں پر مشتمل ہے، تو اسی موقع پر ہی تو حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جو قبیلہ خزرج کے سرداروں میں سے تھے یہ بات کہی تھی کہ: اِنَّا اٰمَنَّا بِكَ وَصَدَّقْنَاكَ۔ "حضور! ہم آپ پر ایمان لاچکے آپ کی بحیثیت رسول اللہ تصدیق کرچکے اب کوئی OPTION ہمارے لئے کہاں رہ گیا ہے!"۔ انہوں نے مزید عرض کیا کہ آپ ہمیں ساحل کے کنارے کھڑے ہوکر سمندر میں چھلانگ لگانے کا حکم دیجئے ہم تعمیل کریں گے ۔ آپ ہمیں برق بماد تک (جو یمن کا ایک دور دراز علاقہ ہے) چلنے کا حکم دیجئے، ہم چلیں گے چاہے ہماری اونٹنیاں لاغر ہوجائیں ۔ لیکن اس کے باوجود مختلف مراحل پر آپ نے بیعتیں کیوں لیں! ۔ ؟ اس سوال کے جواب کو اس وضاحت سے سمجھئے جو میں پہلے پیش کرچکا ہوں کہ اللہ تعالٰی اس پر قادر تھا کہ عرب میں انقلاب بھی آجاتا اور اپنے محبوبؐ کے پائے مبارک میں ایک کانٹا بھی نہ چبھتا۔ ۔ اللہ نے ایسا نہیں کیا ۔ کیوں نہیں کیا؟ اس لئے نہیں کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلامی انقلاب کی انسانی سطح پر جدوجہد ہمارے لئے نمونہ بنے ۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ سے حضورؐ کو کسی بھی موقع پر بیعت لینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی ۔ لیکن بایں ہمہ آپؐ نے بیعتیں لیں تاکہ اُمّت کو معلوم ہوجائے کہ اسلامی نظم جماعت، کی بنیاد بیعت ہے ۔ حدیبیہ کے موقع پر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچتی ہے تو نبی اکرمؐ صحابہ کرامؓ کو دعوت دیتے ہیں کہ آؤ کون عثمانؓ کے خون کا قصاص لینے کے لئے میرے ہاتھ پر سرفروشی کیلئے بیعت کرتا ہے! اس پکار پر چودہ۱۴۰۰ سو جان نثار صحابہ کرامؓ لبیک کہتے ہیں وہ تو حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر ہی غلط نکلی ورنہ صحابہ کرامؓ نے تو جان فروشی کے لئے خود کو پیش کرہی دیا تھا ۔ اسی بیعت کا نام "بیعت رضوان" ہے۔ جس کا ذکر سورہ فتح میں بڑے اہتمام بالشان طریقے سے دو جگہ آیا ہے ۔ آیت نمبر ۱

میں فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ج — "اے نبی جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے تھے، وہ دراصل اللہ سے بیعت کر رہے تھے، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ تھا"۔ آگے آیت نمبر ۱۸ میں ان بیعت کرنے والوں کو بایں الفاظ بشارت دی جاتی ہے کہ: لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ۝ "اللہ ان مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے (اے نبی!) آپ سے بیعت کر رہے تھے۔ اللہ کو ان کے دلوں کا حال معلوم تھا۔ اسی لئے اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی اور ان کو قریبی فتح بخشی —" بیعت عقبہ ثانیہ ہو رہی ہے کہ آپ سے عرض کیا جاتا ہے کہ حضورؐ آپ مدینہ تشریف لے آئیے ہم آپ کی اس طرح حفاظت کریں گے، جیسے اپنے بال بچوں کی کرتے ہیں — بیعت کرنے والے وہ ہیں جو پہلے ہی سے ایمان لا چکے ہیں — قول و قرار کے لئے بیعت ہو رہی ہے۔ معاہدے ہو رہے ہیں — احادیث میں مختلف بیعتوں کا ذکر ہے میں یہاں صرف ایک حدیث آپ کو سناتا ہوں، جس کے راوی ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما جس کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ اپنی اپنی 'صحیح' میں لائے ہیں گویا یہ حدیث متفق علیہ ہے جو حدیث کا سب سے بلند مقام و مرتبہ ہے حدیث کے الفاظ ہیں کہ: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ کُنَّا اِذَا بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ یَقُوْلُ لَنَا فِیْمَا اسْتَطَعْتُمْ۔ "ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سمع و طاعت کی بیعت کرتے تو آپؐ فرماتے کہ جس چیز کی تم طاقت رکھو" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرمؐ صحابہ کرامؓ سے مختلف اوقات میں مختلف کاموں کے لئے بیعت لیا کرتے تھے —

اس طرح بیعت کا یہ نظام ہمیں تعلیم دیا گیا ہے کہ یہ ہے درحقیقت اس تنظیم کی اساس و بنیاد کہ جو اس کام کو کرنے کے لئے منظم ہو جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کے حوالے کر گئے ہیں۔ یعنی عالمی سطح پر انقلاب محمدیؐ کا بول

بالا کرنا — اس کام کے لئے طریق تنظیم یہ بیعت کا نظام ہے - کوئی اللہ کا بندہ جب آگے آئے اور پکارے کہ "مَنْ اَنصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ" تو آپ اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیں سمع و طاعت کی بیعت کریں — فرق یہ ہوگا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بیعت کی جاتی تھی، وہ مطلق ہوتی تھی کہ جو حکم آپؐ دیں گے وہ واجب الاطاعت ہوگا - اس لئے کہ ع گفتۂ او گفتۂ اللہ بود — ان کا فرمان اللہ کا فرمایا ہوا تھا — اور مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ. اب جو بیعت ہوگی، وہ مشروط ہوگی - اللہ اور اس کے رسول کی قائم کردہ حدود کے اندر اندر اطاعت ہوگی - اس کے باہر اطاعت نہیں ہوگی — الغرض یہ اطاعت "فی المعروف" کی شرط کے ساتھ مشروط ہوگی — پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا اُسوہ ہے کسی تنظیم کے قیام کے لئے **نظامتِ بیعت**۔

احیائے دین کے لئے یہ دستوری تنظیمیں اور الیکشنوں کے ذریعے قائم ہونے والی تنظیمیں اور امیر اور شوریٰ یا انتظامیہ کے لئے دو سال یا پانچ سال کے بعد الیکشن اور ان کے درمیان فرائض و اختیارات اور حقوق کا توازن قائم کرنے کے طریقۂ کار کو میں کفر یا قطعی طور پر خلاف اسلام نہیں کہا لیکن پورے شرح صدر کے ساتھ یہ ضرور کہتا ہوں کہ یہ طریق تنظیم اُسوۂ رسُول کے مطابق نہیں ہے — میں پھر عرض کر رہا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بیعت لینے کی احتیاج ہی نہ تھی - حضورؐ نے مختلف اوقات میں جو بیعتیں لیں وہ میرے نزدیک اس لئے تھیں کہ آئندہ کے لئے ہمیں روشنی ملے اور ہمارے لئے اُسوہ بنے — لہٰذا حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا نصب ہو رہا ہے تو بیعت کی بنیاد پر - حضرت عمرؓ کا ہو رہا ہے تو بیعت سے - حضرت عثمانؓ کا ہو رہا ہے تو بیعت پر - حضرت علیؓ کا نصب خلافت بھی بیعت سے ہوا ہے - اس کے بعد بیعتیں تقسیم ہو گئیں - یہاں تک تو بیعت ایک تھی - وہ دینی بیعت بھی، سیاسی بیعت بھی، اور انتظامی بیعت بھی تھی لیکن خلافت راشدہ اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بعد مروان ابن حکم سے یہ وحدت ختم ہو گئی اور بیعت دو حصّوں میں تقسیم ہو گئی - چونکہ اس دور میں نام تو خلافت ہی رہا

لیکن اصلاً وہ تاریخ ملوکیت میں تبدیل ہو گئی اور خلفاء تقویٰ کے لحاظ سے اس معیار مطلوب کے مطابق نہ رہے جو خلفائے راشدین میں نظر آتا ہے لہٰذا بیعت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک سیاسی بیعت یعنی خلیفہ وقت کی اطاعت کے لئے ہوتی تھی جو بتدریج ایک معروف کا درجہ حاصل کر گئی جو دور بنی اُمیہ بنو عباس اور دور عثمانیہ تک ہمیں کسی نہ کسی صورت میں نظر آتی ہے۔ اور دوسری بیعت، بیعتِ ارشاد کسی بزرگ، خدا ترس، متقی، متدین مزکّی، مربّی اور مرشد کے ہاتھ پر ہونے لگی — پھر اس بیعت ارشاد کے بھی کئی سلاسل وجود میں آ گئے جیسے فقہی مسائل میں چار مسالک فقہ مشہور ہوئے اسی طرح انفرادی رشد و ہدایت اور تزکیہ و تربیت نفس کی تعلیم کے لئے بھی چار سلاسل مشہور ہیں۔

اس بات کو بھی سمجھ لیجئے کہ یہ دو بیعتیں اس وقت تک رائج رہیں جب تک شریعت اور قانونِ اسلامی کا ڈھانچہ قائم (INTACT) رہا۔ تاآنکہ وہ دور شروع ہوا جب ایک طرف وحدت ملّی پارہ پارہ ہوئی اور دوسری طرف متعدد مسلم ممالک براہ راست سیاسی طور پر مغربی استعمار کے استیلاءُ کے پنجے میں گرفتار ہو کر سیاسی طور پر غلامی سے دوچار ہوئے اور ہمارے دین کا برائے نام ڈھانچہ بھی برقرار نہ رہا اور پوری عمارت زمین بوس ہو گئی۔ شریعت اور اسلامی قانون مختلف ممالک میں مختلف ادوار میں منسوخ کر دیا گیا۔ قاضیوں کی عدالتیں برطرف کر دی گئیں تو ان حالات میں تجدید و احیائے دین کی تحریکیں اور تنظیمیں ابھرنے لگیں اور پھر ہمیں نظر آتا ہے کہ یہ دونوں بیعتیں یکجا جمع ہو گئیں۔ سوڈان میں مہدی سوڈانی اُبھرے۔ طرابلس (موجود لیبیا) میں سنوسی تحریک اُبھری نجد میں محمد بن عبدالوہابؒ کی تحریک اٹھی (جو وہابی تحریک کے نام سے مشہور ہے) یہ تمام تحریکیں ہم دیکھتے ہیں کہ بیعت کے نظام بر سمع و طاعت، ہجرت و جہاد کے لئے برپا ہوئیں اس طرح ہمیں ان تحریکوں میں اس بیعت کی سنت کی تجدید نظر آتی ہے۔

سیّد احمد بریلویؒ کی تحریک میں عجب شان نظر آتی ہے۔ وہ مسلک کے

اعتبار سے حنفی ہیں - مستند عالم دین بھی نہیں، لیکن ان کے ہاتھ پر امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی رح کے خانوادے کے چشم وچراغ شاہ اسمٰعیل شہید رح بھی شامل ہیں جو اہل حدیث ہیں - آج جو اہل حدیثیت ہمیں نظر آتی ہے وہ کُل کی کُل ان ہی کی مساعی کا ظہور ہے - لیکن وہ بیعت جہاد ایک حنفی کے ہاتھ پر کر رہے ہیں - سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے بیعت ارشاد لی پھر بیعت جہاد لی - اس طرح ایک ہی شخصیت میں دونوں بیعتیں جمع ہو گئیں — یہ تو اس صدی کے اندر آکر مغرب کے سیاسی استیلاء کے ساتھ ذہنی مرعوبیت کے پیش نظر دستوری اور قانونی تنظیمیں قائم ہونی شروع ہو گئیں، ورنہ اس سے قبل اس قسم کی کسی تنظیم اور جماعت کی تشکیل کا کوئی سراغ ہمیں اپنی تاریخ میں نہیں ملتا۔ اہل حدیث حضرات جو اس اجتماع میں تشریف رکھتے ہیں — وہ گواہی دیں گے کہ ان کے ہاں یہ تنازعہ عرصے تک چلا ہے اور شاید اب بھی چل رہا ہے کہ اہلحدیث حضرات کی تنظیم اور جمعیت کے لئے صدارتی نظام ہو یا امارتی نظام ہو —— اس تنازعہ کی حقیقت بھی یہی ہے کہ سنت اور صحابہ و تابعین کے دور میں صدارتی نظام کہیں نظر نہیں آتا کہ اتنے سال کے بعد صدر ہٹ جاتے اور پھر دوبارہ انتخاب ہو — یہ بات کہیں نظر نہیں آئے گی - وہاں تو یہ نظر آئے گا کہ جس کے ہاتھ پر بیعت ہوتی تھی وہ تا حینِ حیات ہوتی تھی - آپ کو ایک مقصد پورا کرنا ہے جب امیر وہ مقصد پورا کر رہا ہے تو آخر کس دلیل سے آپ اس کو الیکشن کے ذریعے بدلنا چاہیں گے! ہاں اگر وہ مقصد سے ہٹ گیا ہے تو آپ اپنا راستہ علیحدہ لیں، - بیعت فسخ کریں اور اپنے طور پر کام شروع کریں کوئی اور ایسا نظر آئے جس پر اطمینان ہو کہ وہ بہتر کام کر رہا ہے تو اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں — حاصل یہ ہے کہ تجدید و احیائے دین کے لئے کام کرنے کا طریقہ سنت اور تعامل سلف صالحین سے بیعت کا نظام ثابت ہے - اس کے علاوہ جو طریقے اختیار کئے جاتے ہیں، وہ اُسوۂ رسُول اور سنّت سے ہٹے ہوئے ہیں -

اس مختصر سے وقت میں کیا عرض کروں! — یہ باتیں کہتے ہوتے دل روتا

ہے کہ ہمارا حال یہ ہے کہ جس طرح "وعظ" گالی بن گیا ہے جو قرآن کی اصطلاح ہے۔ اسی طرح 'بیعت' کے ساتھ جو خالصتاً قرآن و سنت کی اصطلاح ہے۔ ذہن میں فوراً دوکانداری کا تصور آتا ہے ـــ قبے عمامے اور جبّے کے ساتھ کوئی حضرت صاحب اور پھر ان کا ایک خاص اندازِ نشست و برخاست اور ایک خاص اندازِ گفتار کے ساتھ کسی شخصیت کا نقشہ سامنے آتا اور ذہن میں ابھرتا ہے۔ جن کے ساتھ مریدین کا ایک حلقہ خدام ادب کی حیثیت سے موجود ہوتا ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں ـــ اگر ہوگا تو یہ کہ کچھ ذکر کے حلقے ہو جائیں گے۔ اللہ اللہ خیر صلاّ۔ اس سے آگے ان کی کوئی دعوت نہیں ـــ اس طرح ہم نے اس بیعت کو بھی بدنام کرکے رکھ دیا ہے ـــ ہم نے کس چیز کو بدنام نہیں کیا ہے! چھوڑا کسے ہے! ؎

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذر و دلقِ اویس و چادرِ زہرا

ہم نے ہر چیز بیچ کھائی ہے ـــ دوکاندار ہم ہیں۔ بدنام ہم نے دین کو کیا ہے ـــ حج اور عمرے کے مواقع پر اسمگلنگ ہم کرتے ہیں لیکن بدنام حج ہوتا ہے۔ صوم و صلوٰۃ کے ساتھ سودی لین دین، بلیک مارکٹنگ، ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ اور بہت سی بدمعاملگیاں ہم کرتے ہیں۔ بدنام دین ہوتا ہے ـــ لیکن بایں ہمہ اگر ہم چاہتے ہیں اسوۂ رسول کی پیروی کریں تو بیعت کتنی ہی بدنام ہو چکی ہو ہمیں تو اسی پر چلنا ہے ـــ اگر وعظ گالی بن گیا ہے تو بنا کرے ہمارے لئے تو قرآن ہی وعظ ہے۔ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ۔ لٹریچروں سے دعوتیں چلتی ہوں تو چلا کریں۔ ہمارا لٹریچر تو یہی قرآن ہے ـــ اسی کو پڑھو اور پڑھاؤ۔ اسی کو سمجھو اور سمجھاؤ۔ اسی کی شرح و وضاحت کرو، تحریر سے بھی تقریر سے بھی۔ ہر ایک کی اساس قرآن ہو۔ بمصداق ارشادِ ربانی: بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ـــ اور بموجب فرمانِ نبوی: بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ اٰيَةً ـــ

آپ حضرات بخوبی واقف ہیں کہ میں قرآن حکیم کا ادنیٰ طالب علم ہوں۔ قرآن مجید اور سیرت مطہرہ پر غور و فکر کے نتیجے میں جو بات مجھ پر منکشف ہوئی

ہے اس پر الحمدللہ عمل بھی شروع کر دیا ہے وہ یہ کہ اقامتِ دین کی جدوجہد کوئی اضافی نیکی نہیں بلکہ میرا اور ہر مسلمان کا فرضِ عین ہے ۔ اس کے لئے تنظیم کا قیام لازم ہے اور اس تنظیم کی ہیئت تشکیل بیعت کے نظام پر ہونی عین سنت کا تقاضا ہے ۔ میں اگر محض درس قرآن ہی دیتا رہتا اور سیرتِ مطہرہ کا بیان ہی کرتا رہتا لیکن قرآن حکیم اور سیرت مبارکہ سے جو پیغام اور تعلیم مجھے ملتی، اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش نہ کرتا تو مجھ سے بڑا دھوکے باز کوئی اور نہ ہوتا — میں درس قرآن، سیرتِ مطہرہ کے بیان اور وعظ کہنے کی حیثیت سے بہت مشہور (POPULAR) ہو گیا ہوں — اسی ماہ تین مرتبہ میں کراچی ہوائی جہاز سے گیا ہوں جس کے آمد و رفت کا خرچ بلانے والوں نے اٹھایا ہے ۔ اور بہت سے حضرات ٹکٹ دے کر بلانے پر اصرار کرتے رہتے ہیں — میں اگر کوئی "نذرانہ" بھی مقرر کر دوں تو وہ بھی مل جائے گا ۔ جو ادارے یا اشخاص چودہ پندرہ سو روپے ٹکٹ پر صرف کر سکتے ہیں وہ کیا چھ سات سو روپے مجھے "نذرانہ" نہیں دے سکتے ۔ آپ کو تو معلوم ہی ہو گا کہ ملک میں بہت سے واعظین کے باقاعدہ "نذرانوں" کے ریٹ (RATES) مقرر ہیں تو کیا میرے نہیں ہو سکتے — ! تحدیث نعمت کے طور پر عرض کر رہا ہوں کہ میرا درس قرآن پاکستان ہی میں نہیں بہت سے بیرونی ممالک میں بھی انتہائی POPULAR ہے ۔ میں یہی کام کرتا رہتا اور کبھی عمل کی دعوت نہ دیتا تو میرا خیال ہے کہ اس وقت اگر یہاں چار پانچ سو کی حاضری ہے تو ایسی صورت میں یہ حاضری ہزاروں سے کہیں متجاوز ہوتی — میں یہ بات دعوے سے کہہ رہا ہوں، ہمارے ہاں صرف "سننے" کا تو اتنا ذوق و شوق ہے ۔ ہم سنی ہیں اور خالص "سنی" ہیں — یہ جو بار بار عمل کی دعوت دی جاتی ہے اور غلط کاموں پر جو ڈانٹ پڑتی ہے، اسے آدمی ایک دفعہ سن لے گا، دو مرتبہ سن لے گا ۔ بار بار کون سننے آئے گا — ! میرے چند قریبی واقف کار میرے پیچھے جمعہ پڑھنا چھوڑ گئے انہوں نے مجھ سے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا کہ تمہاری تقریر بہت سخت ہوتی ہے ۔ تم کاروبار میں سود کی آمیزش پر قرآن و حدیث کے حوالے

سے تنقیدیں کرتے ہو اور وعیدیں سناتے ہو ۔ تم متعدد غیر اسلامی معتقدات اور رسم و رواج پر شدید گرفت اور نکیر کرتے ہو۔ ہم جس معاشرے میں رہ رہے ہیں اور جن حالات سے گزر رہے ہیں، ان میں ان کا ترک کرنا ہمارے لئے مشکل ہی نہیں محال ہے ۔ تمہاری تقریریں سن کر ہمارا ضمیر ملامت کرتا ہے سرزنش کرتا ہے ۔ اس کشمکش سے بچنے کے لئے ہم نے جمعہ تمہارے پیچھے پڑھنا اور تمہارے درس میں شریک ہونا ہی چھوڑ دیا ہے ۔۔۔ اگر مجھے صرف درس قرآن اور محض علمی نکات ہی کو بیان کرنا ہوتا تو موجودہ حاضری سے دس گنا حاضری زیادہ ہوسکتی تھی۔ لیکن نہیں میں قرآن کا عملی پیغام پیش کرتا ہوں۔ صرف علمی نکات پیش کرنا اور اس میدان میں موشگافیاں کرنا ذہنی عیاشی بن جائے گی ۔ میرا قلب و ذہن مجھ سے پوچھتا ہے کہ اگر تم نے صرف یہی کچھ کیا تو اللہ کے ہاں کیا جواب دو گے ؟ تم نے سب کچھ ہضم کر لیا ہے اگر اس قرآن کو بھی ہضم کر گئے تو فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ٥ (المرسلت) " پس اس کے بعد کون سی بات ہے جس پر تم ایمان لاؤ گے ؟ " بہر حال یہ چند باتیں تو بطور جملہ ہائے معترضہ درمیان میں آگئیں ۔۔۔ اب خوب توجہ سے میری آج کی تقریر کا خلاصہ پھر سن لیجئے ۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میں نے اپنے فہم تک قرآن کا جو پیغام سمجھا ہے، وہی پیغام ہمیں احادیث میں ملتا ہے اور وہی پیغام ہمیں سیرت مطہرہ سے ملتا ہے ۔۔۔ اسی بات کو میں نے آج اُسوۂ حسنہ کے حوالے سے آپ کے سامنے رکھا ہے ۔ اور وہ اسوۂ حسنہ یہ ہے کہ :

آپؐ کی دعوت ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور ایمان بالرّسالت کسی تبلیغی رفاہی، اصلاحی، علمی و تحقیقی اور سیاسی نوعیت کی نہیں تھی ۔ بلکہ خالص انقلابی نوعیت کی دعوت تھی ۔۔۔ یہ تمام کام اس میں بطور اجزا شامل تھے ۔ چنانچہ اس دعوت کے نتیجے میں جو انقلاب عظیم دنیا میں برپا ہوا، اس سے پوری انسانی زندگی میں تبدیلی رونما ہوئی ۔ عقائد و نظریات، سیرت و کردار، نظام حکومت و سیاست، علوم و فنون، قانون و اخلاق، تہذیب و تمدن اور معاشرت اور معیشت، الغرض حیاتِ انسانی کا کوئی گوشہ بھی بدلے بغیر نہ رہا۔

یہ انقلابی جدوجہد خالص انسانی سطح (HUMAN LEVEL) پر قدم بقدم چل کر کی گئی اور ایک انقلابی جدوجہد کو جن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، وہ سب مراحل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس انقلابی دعوت کو بھی پیش آئے — اللہ کی نصرت و تائید بھی حاصل ہوئی لیکن اس وقت جب نبی اکرمؐ اور آپ کے جان نثار صحابہ کرام رضؓ نے اپنی امکانی حد تک اس جدوجہد میں مثالی قربانی اور ایثار پیش کیا۔

آپؐ کی جدوجہد جن مراحل سے گزری ان کو دو دو الفاظ کے جوڑوں کے ساتھ میں نے تین حصوں میں منقسم کر کے قدرے تفصیل کے ساتھ آپکے سامنے پیش کیا ہے۔

- پہلا مرحلہ ہے : دعوت و تربیت۔
- دوسرا مرحلہ ہے : تنظیم و ہجرت اور
- تیسرا مرحلہ ہے : جہاد و قتال

اس مختصر وقت میں، میں نے کوشش کی ہے کہ دعوت و تربیت اور تنظیم و ہجرت کے ضمن میں ضروری نکات آپ کے سامنے پیش کردوں۔ دعوت و تربیت کے مرحلے کے متعلق میں نے اس مختصر سے وقت میں آپکے سامنے چند اہم نکات اُسْوَۂ حَسَنَہ کی روشنی میں بیان کر دیئے ہیں۔ تنظیم تو دعوتِ ایمان قبول کرنے والوں کی آپ سے آپ ہو جاتی تھی۔ چونکہ جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور آپ کو رسول اللہ تسلیم کرنے کا لازمی تقاضا تھا کہ تمام اہلِ ایمان، ایک تنظیم، ایک جماعت اور ایک اُمّت بن جائیں اور اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی بے چون و چرا اور تسلیم و رضا کی کیفیات کے ساتھ پیروی کریں لہٰذا ہجرت تو تنظیم کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ کچھ اختیار کروگے تو کچھ ترک بھی کرنا پڑے گا — اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنی ہے تو ہر اس چیز کو چھوڑنا ہوگا جو اللہ اور اس کے رسول کو ناپسند ہے۔ کسی سے جڑو گے تو کسی سے کٹو گے بھی۔ سیدھی سیدھی بات ہے۔ دین پر عمل کرنے کے باعث آج اپنے دوست سے کٹے تو کل اپنے بھائی

سے کٹو گے - ہو سکتا ہے کہ بیوی سے بھی کٹنا پڑ جائے - ہو سکتا ہے کہ وہ وقت بھی آجائے کہ ہر ایک چیز سے کٹنا پڑ جائے تو جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر پختہ یقین رکھتے ہیں، وہ کٹ جایا کرتے ہیں - وہ گھر بار کو حتّٰی کہ وطن کو بھی چھوڑ کر ایسے نکل جاتے ہیں جیسے جانتے ہی نہیں تھے کہ یہ ہمارا وطن تھا - لیکن جو کسی اصول کی وجہ سے ایک دوست اور ایک بھائی سے نہ کٹ سکا - وہ اللہ اور اس کے دین کے لئے اپنا وطن چھوڑ دے گا؟ جو ایک پیسے میں امین ثابت نہ ہو کیا وہ لاکھ روپے میں امین ثابت ہوگا؟ جو چھوٹا سا وعدہ پورا نہ کر سکے، وہ بڑے بڑے وعدے پورے کرے گا؟ یہ باتیں ناممکنات میں سے ہیں — ہجرت تنظیم کے ساتھ بطور ضمیمہ منسلک ہے - پھر جہاد ہے، "جہاد" دراصل اس جدوجہد کا نام ہے کہ جس میں ایک بندہ مؤمن باطن میں اپنے نفس سے اس کو اللہ اور رسول کا مطیع و فرمانبردار بنانے کے لئے کش مکش کرتا ہے اور ظاہر میں دعوتِ حق کی تبلیغ کے لئے بھاگ دوڑ، سعی و کوشش اور اس کے قیام کے لئے محنت و مشقت بھی اسی جہاد میں شامل ہوتی ہے — پھر قتال ہے، جب بھی اس کا مرحلہ آجائے تو ایک بندہ مومن اس کے لئے تیار بھی رہے اور اس کی تمنّا کو دل میں پرورش بھی کرتا رہے - حضورؐ کا ایک ارشاد ہے کہ جس دل میں اللہ کی راہ میں شہادت کی موت کی تمنّا نہ ہو اس کی موت ایک نوع کے نفاق پر واقع ہوتی ہے"- (او کما قال)

سورۃ احزاب کے تیسرے رکوع کے آج کے درس میں ہم "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" کے بعد والی آیت ۲۲ اور ۲۳ میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ: وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ○ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ○

"اور سچے مومنوں کا حال یہ تھا کہ جب انہوں نے (غزوہ احزاب کے موقع پر) حملہ آور لشکروں کو دیکھا تو پکار اٹھے کہ یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا[1] اللہ اور اس کے رسول کی بات سچی تھی: اس واقعہ نے ان کے ایمان اور سپردگی کو اور زیادہ بڑھا دیا۔ ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے ہوئے وعدے کو سچ کر دکھایا ہے (یعنی وہ صبر وثبات سے ڈٹے بھی رہے) اور ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا یعنی اللہ کی راہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر چکا اور کوئی اپنی باری آنے کا منتظر ہے"۔ —— اس آیت میں 'وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ' خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ ایک مؤمن کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ بڑے ذوق وشوق اور اشتیاق کے ساتھ اس بات کا منتظر رہے کہ کب وہ وقت آئے کہ وہ اللہ کی راہ میں گردن کٹا کر سرخرو ہو۔ چونکہ سورہ توبہ کی آیت ۱۱۱ کے رُو سے اہل ایمان اللہ سے سودا کر چکے ہیں اور جنت کے عوض اپنا مال اور اپنی جان اُس کے ہاتھ بیچ چکے ہیں:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ○

"یقیناً اللہ نے مؤمنوں سے ان کے جان اور ان کے مال جنت کے عوض خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ قتل کرتے اور قتل ہوتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے ان کے اس طرزِ عمل پر پختہ وعدہ ہے تورات میں بھی، انجیل میں اور قرآن میں بھی۔ اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہو! پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے اللہ کے ساتھ چکا لیا ہے۔

---

[1] اشارہ ہے سورہ البقرہ کی آیت ۲۱۴ کی طرف

یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔" آپ نے ملاحظہ کیا کہ اس آیت شریفہ میں لفظ 'بیع' جس سے بیعت بنا ہے پوری جامعیت کے ساتھ قول و قرار اور عہد و پیمان کے لئے استعمال ہوا ہے — اس آیت کی رو سے مؤمنین تو اپنے مال اور اپنی جان اللہ کے ہاتھ بیچ چکے' اب جب بھی یہ مرحلہ آتے — اس کے متعلق کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کب آئے گا — یہ ہے اُسوۂ رسول : لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ —

آگے کے مراحل کے بارے میں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا، جو کہتا ہے وہ حماقت کرتا ہے — کچھ پتہ نہیں کہ کب کیا مرحلہ آجائے اور کیا صورت حال پیدا ہو جائے! یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص دعوت دیتا رہے اور اسی میں اس کی زندگی تمام ہو جائے اور اس کو ایک ساتھی بھی نہ ملے — نبیوں میں یہ بھی ہوا ہے — یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ کسی جگہ تمکن عطا فرما دے — اس کا دار و مدار ہماری سوچ پر نہیں ہے — جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو مکہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے تھے — مدینہ کی کھڑکی تو اللہ نے خود کھولی — مکہ میں اہل یثرب کے چھ اشخاص ایمان لے آئے — اگلے سال بارہ آدمی آگئے اور اس سے اگلے سال پچھتر آگئے اور بیعت عقبہ ثانیہ منعقد ہوئی — پھر نبی اکرمؐ کے قدم مبارک ابھی وہاں پہنچے بھی نہیں کہ مدینہ آغوش وا دار الہجرۃ بن رہا ہے — اور حضورؐ کی تشریف آوری کا بڑے اشتیاق کے ساتھ انتظار کر رہا ہے اور استقبال کی تیاریاں بھی — اور مکہ جہاں حضورؐ بنفس نفیس تیرہ برس سے دعوت دے رہے ہیں، وہ خون کا پیاسا بنا ہوا ہے — کون سے حساب کتاب میں یہ چیز آتی ہے — یہ مشیت الٰہی ہے — آگے کے مراحل کے بارے میں کوئی لال بجھکڑ بن کر کہے کہ یوں ہوگا اور یوں ہوگا — اس سے بڑا احمق اور کوئی نہیں — وہ تو اللہ ہی جانتا ہے، ہم نہیں جانتے — ہم اسوۂ رسول کے

برائے توجہ!

قارئین میثاق سے گذارش ہے کہ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں (شکریہ)

راستے پر چلنے کی کوشش کریں گے اگر اخلاص ہمارے شامل حال رہا تو اس راہ میں پوری زندگی کھپا کر یا سر کٹا کر دنیوی اعتبار سے ناکام ہو جانا بھی ہمارے لئے کامیابی ہے۔ اور کامیاب ہو گئے تو پھر تو کامیاب ہیں ہی۔ اسی کو قرآن "حُسْنَیَیْنِ" سے تعبیر کرتا ہے ــــ اس راہ میں آخرت کے اعتبار سے ناکامی کا کوئی سوال ہی نہیں ــــ بالاکوٹ کے میدان میں راہ حق میں سر کٹانے والے کیا ناکام ہوئے! ہرگز نہیں ان کی کامیابی پر تو فرشتے رشک کرتے ہوں گے۔ وہ تو شہادت کے مرتبے پر فائز ہیں، جو انبیاء اور صدیقین کے بعد آخرت میں سب سے اعلیٰ مقام ہے۔

ہم نے اُسوۂ رسولؐ کی روشنی میں "تنظیم اسلامی" سمع و طاعت کی بیعت کی بنیاد پر بنائی ہے۔ اگرچہ ہم بہت کچے ہیں۔ تعداد کے لحاظ سے بھی قافلہ بہت ہی چھوٹا ہے اور اب تک جو ساتھی ملے ہیں وہ معیار مطلوب سے بہت نیچے ہیں۔ لیکن میں اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں ــ اس معاشرے میں سے مجھے جو ساتھی ملے ہیں وہ بھی غنیمت ہیں ــ میں اللہ کے ہاں اپنا جواب تیار کر رہا ہوں کہ اے میرے رب! میں نے کچھ اور نہیں کیا۔ مجھے تو نے جو صلاحیت، طاقت، توانائی اور استعداد عطا فرمائی تھی۔ میں نے اُسے تیری کتاب مبین کے پیغام اور اسوۂ رسولؐ کی طرف دعوت دینے میں لگایا اور کھپایا ہے۔ میں نے مداہنت نہیں کی ہے۔ میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند ــــ میں نے کبھی اس کی پرواہ نہیں کہ یہ کہوں گا تو اہل حدیث ناراض ہو جائیں گے اور وہ کہوں گا تو احناف مجھ سے خفا ہو جائیں گے۔ یا لوگ میرے درس اور تقریروں میں آنا چھوڑ دیں گے۔ میں نے جس بات کو قرآن و سُنت کے مطابق حق سمجھا ہے اُسے ڈنکے کی چوٹ کہا ہے۔ برملا کہا ہے بغیر خوف لَوْمَۃَ لائم کہا ہے صرف اللہ کے خوف اور اس بات کو پیش نظر رکھنے کی شعوری کوشش کرتے ہوئے کہا ہے کہ: مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ۝ (ق)۔

اور آج میں نے اُسوۂ رسولؐ کے حوالے سے اپنی استعداد کی حد تک ساری بات آپ کے سامنے رکھ دی ہے۔ اب آپ سوچئے کہ آپ کس مقام پر کھڑے ہیں؟ ــــ

فیصلہ آپ کا ہے ۔ ذمہ داری آپ کی ہے ۔ جواب دہی آپ کو کرنی ہے ۔ بات پوری سامنے آ چکی ہے ۔ لیکن اگر کوئی تنظیم اسلامی کی دعوت کو مزید سمجھنا چاہتا ہو تو میں اس کو دعوت دوں گا کہ وہ تنظیم کے کتابچوں کا مطالعہ کر لے — پھر فیصلہ کرے ۔ اگر وہ حدیث برحق ہے کہ : اَنَا اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ : بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۔ "میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں : جماعت کا اور سمع وطاعت کا اور اللہ کی راہ میں ہجرت وجہاد کا" ۔ اور یقیناً برحق ہے تو اچھی طرح جان لیجئے کہ واقعہ یہ ہے کہ بغیر نظم جماعت کے زندگی بسر کرنا خلاف سُنّت زندگی ہے ۔ کوئی اپنی جگہ بڑے سے بڑا سُنّت کا پرچارک بنا ہوا اور خود کو متبّع سُنّت سمجھتا ہو — اگر وہ نظم جماعت کے بغیر زندگی بسر کر رہا ہے تو اس کی پوری زندگی خلاف سنت ہے — اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِالْجَمَاعَةِ ۔ رضائے الٰہی اور اُسوۂ رسول کی پیروی کے لئے جب تک اپنے آپ کو ایسی جماعت کے جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے قائم ہو حوالے نہ کر دیا جائے ، زندگی بحیثیت مجموعی سنت کے مطابق نہیں ہوگی اور بات وہی ہوگی جو حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمائی تھی کہ مچھر چھانے جائیں گے اور سموچے اونٹ نگلے جائیں گے —

اُسوۂ رسُولؐ سے ہم نے دین کے انقلابی پیغام کے لئے دعوت و تربیت ، تنظیم و ہجرت اور جہاد و قتال کے مراحل اور اس کام کے لئے ایک "تنظیم" کی ضرورت کے دلائل آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں — یہ بات قرآن حکیم سے سمجھنا چاہیں تو تھوڑے سے غور و تدبّر کے بعد ان شاء اللہ سورہ آل عمران کی یہ آیت مبارکہ تنظیم کی دعوت کو سمجھنے کے لئے کفایت کرے گی :۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ
بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝
وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

ماہنامہ حکمت قرآن لاہور
کا اگست ۱۹۸۲ء کا شمارہ

دعوت رجوع الی القرآن
کا منظر و پس منظر

کے موضوع پر
ڈاکٹر اسرار احمد
کے چار مضامین پر مشتمل ہے

اور اپنے موضوع پر
ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے
دفتر میں محدود تعداد میں موجود ہے
قیمت فی پرچہ -/۴ روپے (محصول ڈاک علاوہ)
طلب کیجیے از مطبوعات
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
۳۶ - کے، ماڈل ٹاؤن - لاہور

سلسلۂ تقاریر رسولِ کامل (صلی اللہ علیہ وسلم) نمبر ۱۱

امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ کے اہم خدوخال

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ
فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ٥
فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ
بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا
مَّفْعُوْلًا ٥ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ
بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ٥ اِنْ اَحْسَنْتُمْ
اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَآءَ
وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ
كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ٥ عَسٰى
رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ
لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ٥ (سورۂ بنی اسرائیل ۴-۸)

"اور ہم نے (اُنکی) کتاب (توراۃ و دیگر صحف) میں بنی اسرائیل کو اس بات پر بھی متنبہ کر دیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں فسادِ عظیم برپا کرو گے اور بڑی سرکشی دکھاؤ گے۔ آخر کار جب ان میں سے پہلی سرکشی کا موقع آیا تو اے بنی اسرائیل! ہم نے تمہارے مقابلے میں اپنے ایسے بندے اٹھائے جو نہایت زور آور تھے اور وہ تمہارے ملک میں گھس کر ہر طرف پھیل گئے۔ یہ ایک وعدہ تھا جسے پورا ہو کر ہی رہنا تھا۔ اس کے بعد ہم نے تمہیں ان پر غلبے کا موقع دے

دیا اور تمہیں مال اور اولاد سے مدد دی اور تمہاری تعداد پہلے سے بڑھا دی - دیکھو! تم نے بھلائی کی تو وہ تمہارے اپنے ہی لئے بھلائی تھی اور برائی کی تو وہ تمہاری اپنی ذات کے لئے برائی ثابت ہوئی - پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا تو ہم نے تمہارے دشمنوں کو تم پر مسلط کر دیا تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور مسجد (بیت المقدس) میں اس طرح گھس جائیں جس طرح پہلے دشمن گھسے تھے اور جس چیز پر ان کا ان کا ہاتھ پڑے اُسے تباہ کر کے رکھ دیں - ہو سکتا ہے کہ اب تمہارا رب تم پر رحم کرے لیکن اگر تم نے اپنی سابق روش کا اعادہ کیا تو ہم بھی پھر اپنی سزا کا اعادہ کریں گے اور کفرانِ نعمت کرنے والے لوگوں کیلئے ہم نے جہنم کو قید خانہ بنا رکھا ہے،،

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :- لَیَأْتِیَنَّ عَلٰی اُمَّتِیْ کَمَا اَتٰی عَلٰی بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ (ترمذی)

قرآن حکیم کے بالکل وسط میں سورۂ بنی اسرائیل واقع ہے - اس کے پہلے رکوع میں بنی اسرائیل کی تاریخ کے چار ادوار کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فیصلے کا، جس کا اعلان ان کی کتاب (تورات و دیگر صحف) میں کر دیا گیا تھا، اظہار فرمایا ہے کہ ان پر اپنی تاریخ کے دوران دو مرتبہ عذاب الٰہی کے کوڑے برسے ہیں - پھر جو حدیث ابھی میں نے آپ کو سنائی - اس کا ترجمہ یہ ہے - آں حضورؐ ارشاد فرماتے ہیں -

"میری اُمت پر بھی وہ تمام احوال وارد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پہ ہوتے تھے، بالکل ایسے جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے مشابہ ہوتا ہے"

اس کی روشنی میں اگر ہم دیکھیں تو اُمتِ مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ بھی چار ادوار میں منقسم نظر آتی ہے - جیسے چار ادوار بنی اسرائیل کی تاریخ میں نظر آتے ہیں - دو عروج اور دو زوال — ان کے عروجِ اوّل کا نقطۂ کمال (CLIMAX) ہے - حضرت طالوت، حضرت داؤدؑ اور

حضرت سلیمان علیہم السلام کا عہدِ حکومت ـــ اسکے بعد زوالِ اوّل آتا ہے۔ جو اپنے عروج کو پہنچ جاتا ہے۔ ۵۸۶ء قبل مسیح میں ـــ بخت نصر (جسے بنوکدنضر بھی کہا گیا ہے) کے حملے کے وقت جب کہ بیت المقدس تباہ و برباد ہو کر رہ جاتا ہے۔ ہیکل سلیمانی مسمار کر دیا جاتا ہے۔ لاکھوں یہودی قتل ہوتے ہیں۔ چھ لاکھ یہودیوں کو وہ اسیر بنا کر بابل (BABILONIA) لیجاتا ہے۔ اس کے بعد پھر اُن کے عروج کا ایک دور آتا ہے۔ جس کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ سلطنت مکاوی کا ظہور ہے ـــ پھر وُہ اپنے دُوسرے زوال سے دوچار ہُوتے ہیں۔ جس کا آغاز ہے ۷۰ء میں رومی جنرل طائطس (TITUS) کا حملہ جس نے پھر بیت المقدس کو تاخت و تاراج کیا اور اُس کے بعد اب تک بنی اسرائیل پستی اور زوال اور اضمحلال کا شکار ہیں۔ وقفے وقفے سے اللہ تعالےٰ کے عذاب کے کوڑے اُن کی پیٹھ پر برس رہے ہیں۔ حال ہی میں سلطنتِ اسرائیل کی شکل میں ذرا سا انہوں نے سانس لیا ہے۔ لیکن یہ معلوم ہے کہ وُہ بھی اپنے بل بوتے پر نہیں بلکہ امریکہ کی شہ پر اور اُسی کے سہارے سے۔ اس نقشے کو پس منظر میں رکھئے اور اب آئیے اُمتِ محمّدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ کی جانب ـــ ہمارا عروجِ اوّل جو تقریباً ۴۰۰ سو سالوں پر پھیلا ہُوا ہے یہ عروج ساتویں، آٹھویں، نویں اور دسویں صدی عیسوی کا زمانہ ہے۔ یہ عروج عربوں کے زیرِ قیادت ہوا۔ یہ چار سو سال ایسے گذرے ہیں کہ زمین پر عظیم ترین مملکت، اسلامی مملکت تھی اور یہ اسلامی مملکت صرف ایک عسکری اور سیاسی قوت نہ تھی بلکہ اس میں تہذیب اور تمدّن اور علوم و فنون اپنے پورے نقطۂ عروج کو پہنچے ہوئے تھے۔ یہ ہمارا پہلا عروج ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ تاریخ انسانی میں اس سے پہلے اتنی عظیم الشان مملکت کی کوئی مثال موجود نہیں تھی۔ لیکن پھر ہمارا زوال آیا۔ اس زوال کا اصل سبب جان لینا چاہیئے کہ اس کا سبب ـــ قرآن مجید میں بطور تنبیہہ (WARNING) ارشاد فرما دیا گیا تھا۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ

(سورۃ محمّد)

"اے محمدؐ کے ماننے والو! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تم نے پیٹھ موڑ لی، اُن مقاصد کی تکمیل کی بجائے جو محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی حیثیت سے تمہارے سپرد کیے گئے ہیں، اگر تم نے اپنی ذاتی منفعت ذاتی اقتدار کو ہی مطلوب و مقصود بنا لیا اور تم بھی دُنیا کے عیش میں پڑ گئے تو جان لو کہ ہماری سُنّت کا ظہور ہوگا۔ ہم تمہیں ہٹا دیں گے کسی اور کو لے آئیں گے"۔

ظاہری اعتبار سے اسباب زوال کا خلاصہ مطلوب ہو تو وُہ علامہ اقبال کے اس شعر میں موجود ہے۔

میں تجھ کو بتاتا ہوُں تقدیرِ اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

چنانچہ جب ہمارا حال بھی "طاؤس و رباب آخر" کی تصویر بن گیا تو ہم زوال سے دوچار ہوئے۔ عذابِ الہٰی کے کوڑے ہماری پیٹھ پر برسے۔ پہلے صلیبیوں کی شکل میں اور پھر فتنۂ تاتار کی صورت میں، پھر وُہ اپنے پورے نقطۂ عروج کو پہنچ گئے ۱۲۵۸ء میں جب سلطنت یا خلافت بنی عباس کا چراغ گُل ہوگیا اور عالمِ اسلام پورا کا پورا ایسے ضعف و اضمحلال کا شکار ہُوا کہ بظاہر احوال کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا تھا کہ اسے دوبارہ بھی اُٹھنا نصیب ہو گا۔ لیکن پھر اُسی سُنّتِ الہٰی کا ظہور ایک عجیب شان کے ساتھ ہوا۔ بقول علامہ اقبال مرحوم:-

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مِل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اللہ نے جن کو عذاب کا کوڑا بنا کر مسلمانوں کی پیٹھ پر برسایا تھا۔ اُنہی کو ایمان و اسلام کی توفیق عطا فرمادی۔ انہی کے ہاتھ میں اپنے دین کا علم تھما دیا چنانچہ یہ تین ترک قبیلے ہی ہیں کہ جن کی زیرِ سیادت و قیادت پھر اسلام کو اپنے دُوسرے عرُوج کا دور دیکھنا نصیب ہُوا ترکانِ تیموری نے ہندوستان میں ایک عظیم مملکت قائم کی۔ صفوی حکومت جو ایران میں قائم ہوئی اصلاً وُہ بھی ایک ترک حکومت تھی۔ پھر سلطنت عثمانیہ (ترکی) قائم ہوئی اور ——

——— پورا عالم عرب اور پورا شمالی افریقہ انہی کے زیرنگیں آیا - اور انہی کے ہاں پھر خلافت کا احیاء ہوا - چوتھی بنی اُمیہ کی وہ سلطنت جو اندلس میں تھی - ان چار عظیم مملکتوں کی صُورت میں دُنیا میں پھر مسلمانوں کی سطوت کا ڈنکا بجا -

لیکن اس عروج کے بعد پھر زوالِ ثانی آیا - یہ درحقیقت یورپی استعمار کے ہاتھوں آیا - اس کا نقطۂ آغاز پندرھویں صدی عیسوی کے اختتام پر سلطنت اندلس (ہسپانیہ) کا زوال ہے - ۱۴۹۲ء میں سقوطِ غرناطہ کے بعد یوں سمجھئے کہ وہ سلطنت ہمیشہ کے لئے مِٹ گئی جس کا مرثیہ کہا ہے علامہ اقبال نے ؎

غلغلوں سے جس کے لذّت گیر اب تک گوش ہے
کیا وُہ تکبیر اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہے

اُس کے بعد ۱۴۹۸ء میں واسکوڈی گاما نے وُہ راستہ تلاش کر لیا کہ جس سے مغربی استعمار کا سیلاب عالمِ اسلام کے دائیں بازو مشرق بعید (FAR EAST) پر حملہ آور ہوا - ملایا اور انڈونیشیا کی مملکتیں اور اُس کے بعد ہندوستان کی عظیم سلطنت مغربی استعمار کا نوالہ بن گئیں - ہماری بڑی بڑی سلطنتیں اور مملکتیں کچے گھروندوں کے مانند مغربی استعمار کے سیلاب میں بہتی چلی گئیں - یہ عمل اپنے نقطۂ عُروج کو پہنچا اس بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں، جبکہ پہلی جنگِ عظیم کے بعد دُنیا کا یہ نقشہ سامنے آیا کہ سلطنتِ عثمانیہ ختم ہوگئی - ترکی کے نام سے ایک چھوٹا سا ملک باقی رہ گیا - پورا عالمِ عرب مغلوب ہوگیا - اس کے حصے بخرے کر لئے گئے - اِس کی خبر دی تھی - نبی اکرم ؐ نے کہ :-

يُوشِكُ اَنْ تَدَاعىٰ عَلَيْكُمُ الْاُمَمُ . . . ،

"مسلمانو! اندیشہ ہے کہ تم پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ اقوامِ عالم تم پر ایک دوسرے کو ایسے دعوت دیں گی جیسے دعوتِ طعام کا اہتمام کرنے والا دستر خوان چُنے جانے کے بعد مہمانوں کو بلایا کرتا ہے کہ آئیے اب کھانا تناول فرمائیے اس طرح تم اقوامِ عالم کیلئے لقمۂ تر ہو جاؤ گے"

صحابہ نے بڑے تعجب کے ساتھ سوال کیا ۔

أَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ يَا رَسُولَ اللهِ

"حضورؐ! کیا یہ اس لئے ہوگا کہ ہماری تعداد بہت کم ہو جائیگی"

حضورؐ نے فرمایا نہیں ۔ بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيرٌ!

"یعنی نام کے مسلمان تو بہت ہوں گے تمہاری تعداد تو بہت ہو ہوگی تمہاری حیثیت سیلاب کے اُوپر کے جھاگ کے مانند ہو کر رہ جائے گی" اس پر جب پھر سوال کیا گیا کہ "ایسا کیوں ہوگا تو آپؐ نے فرمایا کہ "تمہارے اندر ایک بیماری پیدا ہو جائے گی جس کا نام ۔ " وھن " ہے " پھر سوال ہوا ۔

مَا الْوَهْنُ يَا رَسُولَ اللهِ

تو آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا :۔

حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ

" دُنیا کی محبت اور موت کا خوف اور موت سے کراہت "

یہ نقشہ جو ہمیں اس حدیث نبویؐ میں نظر آتا ہے اس موجودہ صدی کے بالکل آغاز میں عالمِ اسلام میں بچشم سر دیکھا گیا ہے ، وہ وقت تھا جب ایک دلِ دردمند کی یہ صدا سننے میں آئی تھی ۔ مولانا حالی نے مسدس کی پیشانی پر جو شعر لکھے ہیں ۔ وہ اسی صورتِ حال کی عکاسی کرتے ہیں :۔

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے ،
اسلام کا گر کر نہ اُبھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مدّ ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے

اور خاتمے پر جو مناجات ہے ۔ بحضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا آغاز ان اشعار سے ہوا :۔

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دُعا ہے
اُمّت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

وہ دین جو بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

یہ تھا نقشہ اس صدی کے آغاز میں۔ البتہ یہ بات نوٹ کر لینے کی ہے کہ اس کے بعد نصف صدی بیت چکی ہے بلکہ اس سے بھی زائد۔ اس کے دوران ایک دوہرا عمل ہمارے سامنے آیا ہے۔ ایک طرف ہمارے انحطاط اور زوال و اضمحلال کے سائے اور گہرے ہوتے چلے گئے، بیت المقدس دوسری مرتبہ ہمارے ہاتھ سے چھنا اور آج چودھواں برس جا رہا ہے کہ وہ ایک مغضوب علیہم قوم کے قبضے میں ہے، سقوطِ ڈھاکہ اور عرب اسرائیل جنگوں میں جو عربوں کو شکستیں ہوئیں۔ یہ عذابِ الٰہی کے کوڑے ہیں۔ جو ہماری پیٹھ پر برس رہے ہیں لیکن دوسری طرف ایک احیاء و تجدید کی تحریک (UPWARD MOVEMENT) بھی شروع ہو چکی ہے۔ ایک احیائی عمل کا آغاز بھی ہو چکا ہے۔ اُس کے پہلے مرحلے (Phase) سے بحمد اللہ اور بفضلہ تعالیٰ اُمتِ مسلمہ کسی حد تک گذر بھی چکی ہے۔ چنانچہ پورے عالمِ اسلام سے مغربی استعمار کا تقریباً خاتمہ ہو چکا ہے۔ اس سیلاب کا رُخ موڑا جا چکا ہے۔ سیاسی اعتبار سے پورا عالمِ اسلام تقریباً آزادی حاصل کر چکا ہے۔ اگرچہ ذہنی غلامی ابھی باقی ہے تہذیبی علمی اور فنی غلامی ابھی برقرار ہے

بایں ہمہ یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے کہ سیاسی طور پر عالمِ اسلام کی عظیم اکثریت آزادی سے ہمکنار ہو چکی ہے۔ تاہم اصل کام ابھی باقی ہے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم۔

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے۔
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

وہ کام جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کے حوالے فرما کر گئے تھے وہ امانت جو آپؐ کی ہمارے پاس ہے وہ فرضِ منصبی جو بحیثیتِ اُمت ہمارے کاندھوں پر ہے وہ فرض جب محمد رسول اللہ علیہ وسلم کے کاندھے پر آیا تھا تو وحیِ آسمانی نے پیشگی طور پر فرما دیا تھا کہ:۔

إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝ (المزمل)

"اے محمدؐ! ہم آپؐ پر ایک بڑی بات ڈالنے والے ہیں"

وُہ بھاری بوجھ ہے جو اُمّتِ مُسلمہ کے کاندھے پر ہے - یہ اُمّت پیغامِ محمدیؐ کی امین ہے - یہ دینِ خداوندی کی علمبردار ہے - اس کے ذمّہ ہے اُس پیغام کو پہنچانا پُوری نوعِ انسانی تک - اِس کے ذمے ہے - اُس دین کو قائم اور نافذ کرنا - اور پھر نوعِ انسانی کو اس نظامِ عدلِ اجتماعی سے روشناس کرانا جو محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم لے کر اُس دُنیا میں تشریف لائے تھے - یہ ہے، ہمارا فرضِ منصبی یہ ہیں ہماری ذمّہ داریاں - واقعہ یہ ہے کہ دُنیا میں ہمارا عروج اور ہماری عزّت و وقار کا معاملہ دوسری قوموں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا - ہم دُنیا میں معزّز اور سر بلند اُس وقت تک نہیں ہو سکتے ہیں - جب تک ہم اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے محنت، سعی و کوشش اور جدوجہد نہ کریں -

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

گویا ہمارے عرُوج و زوال کا معاملہ دُنیا کی عام قوموں کے عروج و زوال کے اسباب سے بالکل جُدا ہے - ہمارے ذمے جو فرضِ منصبی ہے اگر اُسکو ادا کریں گے تو تائیدِ خداوندی ہمارا ساتھ دیگی - بقول علّامہ اقبال :-

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

فَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۝

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

بقیہ 'عرضِ احوال'

اُسوۃ حسنۃ" کی روشنی میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ایک خطاب کیا تھا جو "ہماری دینی ذمہ داریاں" کے عنوان سے اس شمارے میں شامل ہے۔ اس خطاب میں جہاں وہ نکات بھی قارئین کرام کے سامنے آجائیں گے جن پر تنظیم اسلامی کی اساس قائم ہے، وہاں وہ لائحہ عمل بھی سامنے آجائے گا جو اصلاح معاشرہ کی تحریک کو حقیقی اور مؤثر بنیادیں فراہم کرسکتا ہے۔ ہم قارئین کرام سے درخواست کریں گے کہ وہ اس خطاب کا بالاستعاب اور معروضی طور پر مطالعہ کریں اور اس خطاب میں پاکستان میں بسنے والی اُمّت مُسلمہ کیلئے جو پیغام ہے، اس پر خود بھی غور و تدبّر کریں اور اس پیغام کو عام کرنے کیلئے بھی تعاون فرمائیں چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ حسنہ کے اتباع کے بغیر ہمارے معاشرے کی نہ دنیوی اصلاح ممکن ہے اور نہ ہی فلاح اُخروی۔

افادیت کے لحاظ سے یہ خطاب اس امر کا متقاضی تھا کہ یہ قسط وار شائع ہونے کے بجائے پورا ایک ہی شمارے میں شائع ہو لہٰذا یہ پورا خطاب اس شمارے میں شامل کیا جارہا ہے۔ لیکن اسکی وجہ سے ضخامت میں آٹھ صفحات کے اضافے کے باوجود چند دوسرے مضامین اس شمارے میں شامل ہونے سے رہ گئے ہیں جس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔

امریکہ کے چالیس روزہ دعوتی دورے کے بعد محترم ڈاکٹر صاحب کی یکم اکتوبر کو لاہور مراجعت ہوئی تھی۔ امریکہ کی مصروفیات پھر واپسی کے لئے تقریباً ۲۴ گھنٹے کے مسلسل ہوائی جہاز کا سفر موصوف کی صحت پر کافی اثر انداز ہوا۔ نتیجۃً وہ واپسی کے بعد پٹھوں کے تناؤ اور کھچاؤ کی تکلیف میں مبتلا ہو گئے۔ تقریباً ایک ہفتے تک تو یہ کیفیت رہی کہ کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے میں بھی دشواری ہوئی۔۔ بایں وجہ ڈاکٹر صاحب موصوف اپنے مسلسل مضمون "مولانا مودودی اور میں" کی تیسری قسط نہ لکھ سکے۔ اللہ کو منظور ہوا تو یہ قسط آئندہ شمارے میں پیش خدمت ہوگی۔

آپ کو پرسیٹر لیسیڈ کنکریٹ کے معیاری

گارڈر، بالے اور سلیب وغیرہ

درکار ہوں تو وہاں تشریف لیجائیے جہاں

اظہار لمیٹڈ کی تیار چھتیں

کا بورڈ نظر آئے

- صدر دفتر: ٦ - کوثر روڈ - اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور
  فون ٦٩٥٢٢ - ٦١٥١۴
- پچیسواں کیلومیٹر - لاہور، شیخوپورہ روڈ
- جی - ٹی - روڈ کھٹالہ (نزد ریلوے پھاٹک)، گجرات
- انڈس ہائی وے - مختار آباد - نزد راجن پور (ڈیرہ غازیخان ڈویژن)
- فیروزپور روڈ - نزد جامعہ اشرفیہ - لاہور - فون: ۴۱۳۵٦۹
- شیخوپورہ روڈ - نزد نیشنل ہوزری - فیصل آباد - فون: ۵۰٦۲٦
- جی - ٹی روڈ - مرید کے
- جی - ٹی روڈ - سرائے عالمگیر
- جی - ٹی روڈ - سواں کیمپ - راولپنڈی - فون: ٦٨١٢٧

جاری کردہ

★ مختار سنز گروپ آف کمپنیز ★

ابوالکلامیات

بلند کرداری صحافت کا آئینہ دار:
الہلال کا ایک ورق*

مرسلہ: ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی

"ایک قوم کے مشہور صاحب ریاست اور آج کل کی قومی خدمات میں سربرآوردہ بزرگ (الہلال) کا پہلا نمبر دیکھ کر ارقام فرماتے ہیں:-

"سچ یہ ہے کہ آپنے وہ کام کیا۔ جو شاید اُردو پریس کی کوئی کمپنی انجام دے سکتی اور ابھی تو آپ کے اصلی ارادے پردۂ خفا میں مستور ہیں . . . . . لیکن ظاہر ہے کہ اتنے اہم اور محتاجِ مصارفِ کثیرہ کاموں کو تنہا انجام دینا بہت مشکل ہے، آپ نے اپنی ہمت خداداد کی وجہ سے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ مگر ہمارا فرض ہونا چاہیئے کہ آپ کو تھوڑا بہت سبکدوش کردیں۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ میں بھی دو سال سے اس خیال میں ہوں کہ ایک عمدہ اُردو اخبار جاری کیا جائے جو خالص قومی اغراض و مقاصد کو پیشِ نظر رکھے اور قابل و اہل علم اُس کے سٹاف میں جمع کئے جائیں سب سے پہلے انگریزی اخبار کا خیال پیدا ہوا تھا مگر وہ . . . . سے پھر ایک حد تک آپ کے مؤکل ہم عصر (کامریڈ) سے پورا ہوگیا۔ اب اُردو اخبار کے خیال میں تھا۔ مولانا سے . . . . . بھی اس کا کئی بار ذکر آیا۔ لیکن الحمد للہ کہ آپ کی ہمت نے میرے خیالات سے بڑھ کر، اس کام کو اپنے ذمے لے لیا۔ اور نہایت کامل صورت میں پورا کردیا۔ پس اب میری طبیعت بے اختیار چاہتی ہے کہ (الہلال) کی کچھ خدمت انجام دوں۔ نیز اور جو وسیع کام آپنے اپنے پریس کے کرنے ہیں۔ وہ بھی بغیر کافی مالی سرمایہ کے پورے نہیں ہوسکتے۔ تنہا آپ کہاں تک روپیہ لٹائیں گے؟ اس لئے بالفعل . . . کا چک روانہ خدمت ہے۔ اور آئندہ بھی اتنی ہی رقم بطور ماہوار اعانت کے ہمیشہ پہنچتی رہے گی۔ سال بھر کے لئے تو وعدہ سمجھیئے اور اگر اس کے بعد بھی ضرورت باقی رہی اور اخبار اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہوسکا تو یہ سلسلہ ان شاء اللہ جاری رہے گا . . . . .

ہم بزرگ موصوف کی اس رئیسانہ فیاضی کے نہایت شکرگزار ہیں۔ مگر افسوس کہ اپنے اصول طبیعت سے مجبور ہونے کی وجہ سے متمتع نہیں ہوسکتے اور اُن کے

عطیہ کو پوری قدر شناسی کے ساتھ واپس کرتے ہیں -

ہم نے جس قدر کام اپنے ذمے لے لئے ہیں وہ رُوپے کے بَل پبلک کی قدر دانی اور روئے قوم کے جُود و سخا کے بھروسے پر نہیں بلکہ صرف اُس کے فضل اور توفیق کے اعتماد پر، جو اپنے دروازے کے سائلوں کی فریادوں کو جب ایک مرتبہ سُن لیتا ہے تو پھر دوسروں کی چوکھٹوں پر کبھی نہیں بھیجتا : -

اَلَّذِی خَلَقَنِیْ فَھُوَ یَھْدِیْنِ ہ وَالَّذِی ھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ہ
وَاِذَا مَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْنِ ہ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ہ
وَالَّذِیْ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ (۲۲ : ۲۸)

پس ہمارے لطف فرما ہمارے کاموں کے لئے سرمایہ کی ضرورت اور اُن کے انصرام کی فکر سے پریشان نہ ہوں اور ہم فقیروں کو ہماری حالت پر چھوڑ دیں - اُن کی فیاضی کے (الہلال) سے بہتر اور مصارف موجود ہیں - بہتر ہے کہ اپنے جود وسخا کے سرچشمہ کا رُخ دوسری جانب پھیر دیں -

ہم خاک نشینانِ بوریائے مذلت، مسند نشینانِ عز و جاہ کے بذل و عطا کے مستحق نہیں - خاک کے ڈھیر پر سے گزرے گا اور دامن و آستین ضرور غبار آلود ہوں گے - ہم سے مل کر اپنے قیمتی اور سفید کپڑوں کو کیوں خون آلود کرتے ہیں - کسی عطر فروش کو ڈھونڈھئے کہ آپ کے شرف تخاطب سے ممتاز ہوگا۔ تو اپنی نسیم عطر بیز سے آپ کے مشامِ جاں کو مسحور بھی کرے گا

هَنِیْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِیْمِ نَعِیْمُھُمْ
وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْکِیْنِ مَا یَتَجَرَّعُ

ہم اس بازار میں سودائے نفع کے لئے نہیں - بلکہ تلاش زیان و نقصان میں آئے ہیں - صلہ و تحسین کے نہیں، بلکہ نفرت و دُشنام کے طلبگار ہیں - عیش کے پھول نہیں، بلکہ خلش و اضطراب کے کانٹے ڈھونڈھتے ہیں - دُنیا کے سیم وزر کو قربان کرنے کے لئے نہیں بلکہ خود اپنے تئیں قربان کرتے آئے ہیں - ایسوں کی اعانت کر کے آپ کا جی کیا خوش ہوگا - اور پھر ایسے عقل فروشوں کو آپ کی اعانت کیا نفع پہنچا سکے گی ؟ ؎

مدہ بشارتِ طُوبیٰ کہ مرغ ہمت ما   برآں درخت نشیند کہ بے ثمر باشد

پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ آپ کا یہ عطیہ کس مقصد سے ہے ؟ اگر آپ مجھ کو خریدنا چاہتے ہیں تو یہ رقم تو ایک گراں قدر قیمت ہے - مَیں تو اپنی قیمت میں گھاس کی ایک ٹوکری کو بھی گراں سمجھتا ہوں -

یہ چاندی اور سونے میں پلے ہوئے روسا کو خریدنے کے لئے اتنا روپیہ مطلوب ہو - ورنہ ہم ایسے خاک نشیں درویشوں کی تو ایک پوری جماعت اتنے میں تلجائے۔ لیکن ہاں اگر اس سے میری (رائے) اور میرا (ضمیر) خریدنا مقصود ہو تو بادب واجب عرض ہے کہ ان خزف ریزہائے طلائی کی تو کیا حقیقت ہے (کوہ نور) اور (تخت طاؤس) کی دولت بھی جمع کر لیجئے جب بھی وہ مع آپ کی پوری ریاست کے اُس کی قیمت کے آگے ہیچ ہیں - یقین کیجئے کہ اس کو تو سوائے شہنشاہ حقیقی کے اَور کوئی نہیں خرید سکتا - اور وہ ایک بار خرید چکا ہے ؎

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا   یاں آ پڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

ہمارے عقیدے میں تو جو اخبار اپنی قیمت کے سوا کسی انسان یا جماعت سے کوئی اور رقم لینا جائز رکھتا ہے تو۔

وہ اخبار نہیں بلکہ اس فن کے لئے ایک دھبّہ اور سرتاسر عار ہے۔ ہم اخبار نویسی کی سطح کو بہت بلندی پر دیکھتے ہیں - اور (امر بالمعروف ونہی عن المنکر) کا فرضِ الٰہی ادا کرنے والی جماعت سمجھتے ہیں

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

پس اخبار نویس کے قلم کو ہر طرح کے دباؤ سے آزاد ہونا چاہئے اور چاندی اور سونے کا تو سایہ بھی اُس کے لئے سمّ قاتل ہے - جو اخبار نویس رئیسوں کی فیاضیوں اور امیروں کے عطیوں کو قومی اعانت قومی عطیہ اور اسی طرح کے . . . . . قبول کر لیتے ہیں - وہ بہ نسبت اس کے کہ اپنے ضمیر اور نورِ ایمان کو بیچیں بہتر ہے کہ دریوزہ گری کی جھولی گلے میں ڈال کر قلندروں کی کشتی کی جگہ قلمدان لے کر رئیسوں کی ڈیوڑھی پر گشت لگائیں اور ہر گلی کوچہ "کام ایڈیٹر کا" کی صدا لگا کر خود اپنے تئیں فروخت کرتے رہیں -

وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید : ٢٥)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے

بڑے فوائد بھی ہیں۔

اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

٣٢۔ ایمپریس روڈ۔ لاھور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ

امریکہ و کناڈا میں ایک "چلّہ"

از قاضی عبد القادر (رفیق تنظیم اسلامی)

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا امریکہ و کناڈا کا یہ چوتھا دورہ تھا۔ پہلا دورہ ۱۹۸۰ء میں کیا گیا تھا۔ جو الحمد للہ بہت کامیاب رہا۔ چنانچہ وہاں کے احباب کے اصرار پر سالانہ دورہ ایک معمول سا بن گیا۔ پچھلے سال کے دورہ میں ڈاکٹر صاحب کے صاحبزادے عزیزم عاکف سعید سلمہٗ ہمراہ تھے۔ اس سال کے لیے قرعۂ فال اس خاکسار اور ڈاکٹر صاحب کے بڑے صاحبزادے عزیزم ڈاکٹر عارف رشید سلمہٗ کے نام پڑا۔

بدھ کا دن تھا اور اگست کی اٹھارہ تاریخ کہ ہم لاہور سے سوا گیارہ بجے دوپہر کی فلائٹ سے راولپنڈی روانہ ہوئے۔ اسلام آباد انٹرنیشنل ایرپورٹ پر سید اکرم علی واسطی صاحب اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ ہمارے استقبال کو موجود تھے۔ ہمارا ٹکٹ برٹش ایرویز کا تھا۔ راولپنڈی سے فلائٹ اگلے روز صبح تھی۔ اس لئے ہوائی کمپنی کی جانب سے ہمارے قیام کا بندوبست شالیمار ہوٹل میں کیا گیا تھا۔ رات کو رفیق محترم عبد الرزاق صاحب بھی مکتبہ کی کتب کے تین صندوق لے کر آ گئے اور رات ہمارے ہی ساتھ قیام کیا۔

جمعرات ۱۹ اگست کی صبح ہوٹل کی جانب سے ہمیں اسلام آباد انٹرنیشنل ایرپورٹ پہنچا دیا گیا۔ فلائٹ کی روانگی کا وقت صبح آٹھ بج کر چالیس منٹ تھا۔ لیکن وہاں جا کر معلوم ہوا کہ فلائٹ تو ابھی تک پہنچی ہی نہیں اس لئے کہ راولپنڈی میں خراب موسم کی وجہ سے طیارہ کو کراچی جانا پڑا۔ ایرپورٹ پر پانچ گھنٹے کچھ اس حال میں گزرے کہ بیرونی ہال مسافروں اور ان کے احباب سے بھرا ہوا تھا اور کسی کے بیٹھنے تک کی کوئی جگہ نہ تھی۔ اس لئے کہ ہوائی اڈہ کے ارباب کار نے اس تکلف کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ پورے ہال میں نہ کوئی کرسی تھی نہ بنچ۔ ناشتہ کرنے کا

بھی کوئی سوال نہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب کچھ دیر کے لئے الطاف لغاری صاحب کے ساتھ چلے گئے جنہیں اسی فلائٹ سے لندن جانا تھا۔ خدا خدا کر کے طیارہ کے آنے کی خبر ملی۔ امیگریشن اور کسٹم وغیرہ کے مراحل سے گذرے۔ سامان ہم نے براہ راست شکاگو کے لئے بک کرا دیا تھا۔ ہمارے اپنے تین سوٹ کیسوں کے ساتھ تین صندوق کتابوں سے بھرے ہوئے تھے جن میں ہم ڈاکٹر صاحب کی کچھ اردو کتب اور ماہنامہ 'میثاق' اور 'حکمتِ قرآن' کے پرچوں کے ساتھ انگریزی کتب کے تین سو سیٹ لے جا رہے تھے۔

اسلام آباد انٹرنیشنل ایرپورٹ سے فلائٹ دوپہر پونے دو بجے روانہ ہوئی۔ پاکستانی وقت کے مطابق شام کو پانچ بجے ابوظہبی پہنچے اور کوئی پون گھنٹے میں دوحہ۔ دونوں جگہ تقریباً ایک ایک گھنٹہ جہاز ٹھہرا۔ ہمیں نیچے اترنے کی اجازت نہ تھی۔ اس طرح ہم پاکستانی وقت کے مطابق دوسرے دن صبح کے تین بجے یعنی تیرہ گھنٹے میں لندن کے ہیتھرو ایرپورٹ پر پہنچے۔ لندن کا وقت پاکستان سے چار گھنٹے پیچھے ہے۔ اس لئے وہاں اس وقت رات کے گیارہ بجے تھے۔ جہاز میں ہماری افغانستان کے ایک ممتاز رہنما جناب صبغۃ اللہ مجددی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب سے ان کی ایک بار پہلے بھی ملاقات ہو چکی تھی۔ کچھ دیر گفتگو رہی ان کے ساتھ افغان مہاجرین کے چند دوسرے رہنما جناب گلبدین حکمت یار انجینئر اور جناب سیاف صاحب وغیرہ بھی سفر کر رہے تھے۔ یہ وفد اسلامی وزراء خارجہ کی کانفرنس کے موقعہ پر نائیجیریا جا رہا تھا۔ لندن سے انہیں فلائٹ تبدیل کرنی تھی۔ میں نے مجددی صاحب کو ڈاکٹر صاحب کی چند کتب بھی ہدیہ کیں۔ موصوف نے اپنا پشاور کا پتہ عنایت فرمایا اور اس خاکسار کو بھی پشاور آنے کی دعوت دی۔

برٹش ایرویز کا ٹکٹ خریدتے وقت ہمیں لندن میں قیام کے لئے Penta Hotel کا کارڈ دیا گیا تھا لیکن ہیتھرو ایرپورٹ پر ہمیں کہا گیا کہ ہم Excelsior Hotel جائیں۔

افتخار صاحب لاہور میں قالینوں کے ایک بڑے بیوپاری ہیں۔ مال روڈ پر الفلاح میں ان کا بڑا شوروم ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے بڑے عقیدت مند ہیں اور انجمن کے ساتھ ہر طرح سے تعاون کرتے رہتے ہیں۔ آج کل وہ لندن آئے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے ہوٹل سے ان کی قیام گاہ پر فون کیا تو فوراً ہی تشریف لے آئے۔ شکاگو کے لئے فلائٹ کا

وقت سوا دو بجے دوپہر تھا۔ اس لئے ہمارے پاس کئی گھنٹے تھے۔ افتخار صاحب نے اپنی گاڑی میں ہمیں اس دوران لندن کی سیر کی دعوت دی۔ بھُوکے کو کیا چاہئیں، دُو روٹی۔ ہم نے ان کی دعوت فوراً قبول کی۔ اور ہوٹل سے اپنا بستر بوریا گول کر کے سیر کو نکل کھڑے ہوئے۔ چار پانچ گھنٹوں میں ہم نے گاڑی میں بیٹھے بیٹھے پکیڈلی سرکس، ٹرافلگر اسکوائر، ریجنٹ پارک، لارڈز، بکنگھم پیلس، پارلیمنٹ ہاؤس، بگ بین، دریائے ٹیمز، شاہی قبرستان، ہائیڈ پارک، گرین پارک، وکٹوریہ ٹرمنل، ڈاؤننگ سٹریٹ اور بہت سے مقامات دیکھ ڈالے ریجنٹ پارک کی مسجد میں دو نفل بھی ادا کئے۔ بکنگھم پیلس پر ایک بڑا مجمع تھا جو گارڈ کی ڈیوٹی تبدیل ہونے کا سماں دیکھنے کا منتظر تھا۔ ہم نے بھی کچھ دیر وہاں چہل قدمی کی۔ اندازہ ہوا کہ انگریز کتنی قدامت پسند قوم ہے۔ اپنی روایات پر فخر کرتی ہے۔ اور انہیں مضبوطی سے دانتوں سے دبائے ہوئے ہے۔ مرحوم شاہ فاروق نے کیا خوب کہا تھا کہ دنیا میں پانچ بادشاہ رہ جائیں گے۔ چار تاش کے اور ایک برطانیہ کا —— اور دھیرے دھیرے ہر جگہ شہنشاہیت کا تختہ الٹ رہا ہے لیکن برطانیہ میں "سدا بہار" ہے۔

ہماری آمد ہیتھرو ایئرپورٹ کے ٹرمنل ۳ پر ہوئی تھی۔ اب شکاگو کے لئے ہماری فلائٹ ٹرمنل ۱ سے پونے تین بجے روانہ ہوئی۔ افتخار صاحب نے ایئرپورٹ پر ہمیں الوداع کہا۔ آٹھ گھنٹے کی پرواز کے بعد ہم شکاگو کے O'HARE ایئرپورٹ پر پہنچے۔ شکاگو کا وقت لندن سے چھ گھنٹے اور پاکستان سے دس گھنٹے پیچھے ہے۔ لندن کی گھڑیوں میں اس وقت رات کے پونے گیارہ بجے، پاکستان کی گھڑیوں میں اگلی صبح کے پونے تین بجے تھے۔ شکاگو کے وقت کے مطابق شام کے پونے پانچ بجے تھے۔ ایئرپورٹ کی سرکاری کارروائیوں کے بعد جب ہم باہر آئے تو عدنان، فصاحت، پیر محمد صاحب، احمد عبدالقدیر صاحب اور جناب عظمت اللہ صاحب کو چشم براہ پایا۔ عارف میاں کو عدنان اور فصاحت تنظیم اسلامی شکاگو کے امیر احمد سلیم صاحب صدیقی کے ہاں لے گئے جن کے برادر خورد کا نکاح اسی شام ہونا تھا۔ اور ڈاکٹر صاحب اور یہ خاکسار عظمت اللہ صاحب کے گھر چلے گئے۔ وہ شکاگو کی مسلم کمیونٹی سنٹر کے صدر ہیں اور اسلامی جذبہ رکھنے والے فعّال کارکن۔ ہزاروں میل کا سفر طے کرنے کے بعد فطری طور پر ہم لوگ تھکے ہوئے تھے۔ ٹائم زون کے بدلنے کی وجہ سے نیند کا معاملہ بھی کچھ ابتر سا تھا۔ نیند پوری نہیں ہو رہی تھی اور ذہن تھکا تھکا سا تھا۔ اس وقت ہمیں آرام کی

شدید ضرورت تھی لیکن معلوم ہوا کہ ان حضرات نے ابھی سے پروگرام رکھ ڈالا تھا۔ اور مغرب کے فوراً بعد مسلم کمیونٹی سنٹر کے وسیع ہال میں ڈاکٹر صاحب کی تقریر تھی۔ عظمت صاحب کے گھر پہنچ کر ہم جلد جلد نہائے دھوئے اور دو روز کے "ہوائی" کھانوں کے بعد ان کے گھر کا لذیذ کھانا کھایا اور بھاگم بھاگ مسلم کمیونٹی سنٹر (MCC) پہنچے۔ یہودیوں کی عالم اسلام خصوصاً لبنان میں کارروائیوں اور مظالم کے پس منظر میں ڈاکٹر صاحب نے دنیائے اسلام کے موجودہ حالات پر سیر حاصل تبصرہ کیا۔ تقریر اردو میں تھی جو بہت پسند کی گئی ـــــ سفر کی اس تکان کے باوجود بھی تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب گویا "تازہ دم" تھے۔ مسلم کمیونٹی سینٹر (MCC) نے ابھی چند ہی ماہ قبل یہ نئی عمارت خریدی ہے۔ یہاں پہلے کوئی تھیٹر تھا۔ دو منزلہ بڑی عمارت ہے۔ ایک بہت بڑے ہال کے علاوہ کئی چھوٹے چھوٹے ہال ہیں۔ بہت سے وسیع کمرے ہیں۔ بڑے ہال میں صفیں بچھی ہوئی ہیں۔ نماز بھی اسی میں ہوتی ہے اور بڑے اجتماعات بھی۔ اگلی صفوں پر مرد ہوتے ہیں اور پچھلی صفوں پر خواتین اور بچے۔

تقریر سے فارغ ہو کر اب ہم ڈاکٹر خورشید ملک صاحب کے سپرد تھے۔ وہی ہمارے یہاں کے میزبان تھے۔ ڈاکٹر صاحب یہاں کی تمام دینی و ثقافتی سرگرمیوں کی روح رواں انجمن خدام القرآن شکاگو کے صدر ہیں۔ موصوف کا مکان شہر کے مضافات میں قلب شہر سے کوئی پچاس میل کے فاصلہ پر Downers' Grove نامی بستی میں ہے۔ بہت ہی پرسکون جگہ پر بڑا ہی خوبصورت مکان ہے۔ جیسی نفیس اور دلکش ڈاکٹر ملک صاحب کی شخصیت ہے ویسی ہی نفاست اور دلکشی ڈاکٹر صاحب کے مکان سے ظاہر تھی ـــــ ہم رات گیارہ بجے موصوف کے مکان پر پہنچے۔ نیند آنکھوں میں سمائی ہوئی تھی، پہنچتے ہی بستروں پر دراز ہو گئے۔

فجر کی نماز کے بعد معلوم ہوا کہ ہمیں یہاں سے ڈھائی سو میل شمال میں "ددپاکا" نامی قصبہ کے لئے سفر کرنا ہے جہاں پر ایک ہفتہ کا تربیتی کیمپ رکھا گیا تھا۔ ناشتہ کے بعد ہم نے چلنے کی تیاری شروع کر دی۔ نہ تو ابھی نیند پوری ہوئی تھی اور نہ ہی تھکن اتری تھی اور اب ڈھائی سو میل کا سفر بذریعہ کار درپیش تھا۔ رہ عشق میں سفر کی لذت ہی کچھ اور ہوتی ہے، تھکن کا احساس ہی جاتا رہتا ہے۔ کچھ یہی حال ہمارا تھا ـــــ چنانچہ وادیٔ شوق میں پھر چلا قافلہ ـــــ!!

ددپاکا "شکاگو" سے دو سو میل اور ہماری قیام گاہ سے ڈھائی سو میل دور ہے۔ شکاگو امریکہ کی ریاست ILLinois میں ہے جبکہ ددپاکا ریاست Wisconsin میں۔

یہاں ہرطرف ہریالی ہی ہریالی ہے، زمینیں گویا سونا اگلتی ہیں۔ چھوٹی بڑی جھیلوں اور فطری مناظر سے آراستہ و پیراستہ ہے۔ دپاکا چھوٹا سا ایک بہت ہی خوبصورت قصبہ ہے۔ ہم صبح ساڑھے نو بجے کار میں روانہ ہوئے اور کوئی تین بجے سہ پہر دپاکا پہنچے۔ ڈاکٹر خورشید ملک صاحب خود کار ڈرائیو کر رہے تھے۔ کار میں ان کے علاوہ ڈاکٹر صاحب، عارف رشید اور یہ خاکسار تھے۔

یہاں پر ہائی ویز کا نظام بہت عمدہ ہے۔ سڑک کے دونوں جانب آنے اور جانے والی گاڑیوں کے لئے کئی کئی LANE ہیں۔ کہیں تین تین، کہیں چار چار اور کہیں پانچ پانچ۔ ہر گاڑی رفتار کے اعتبار سے اپنی LANE منتخب کرتی ہے۔ رفتار کی حد زیادہ سے زیادہ ۵۵ اور کم سے کم ۴۵ میل فی گھنٹہ ہے۔ پاکستان کے اعتبار سے اتنی عمدہ سڑک اور اتنی کم رفتار! ہمارے یہاں تو ایسی سڑک ہو تو یار لوگ اتی نوّے سے کم بات نہ کریں۔ لیکن جناب! وہاں پر لوگ اس کی پابندی کرتے ہیں بلکہ یوں کہئے کہ پابندی کرنی پڑتی ہے اس لئے کہ انہیں خدشہ ہوتا ہے کہ کوئی "آنکھ" انہیں دیکھ رہی ہے۔ ٹریفک پولیس کہیں نہ کہیں گھات لگائے بیٹھی ہوتی ہے اور مقررہ رفتار سے زیادہ جانے والوں کو جلد ہی "دھر لیتی ہے" اور پھر انہیں ٹکٹ مل جاتا ہے۔ "ٹکٹ" سے مراد ہے جرمانہ جو خاصی بڑی رقم کا ہوتا ہے۔ ایک دفعہ یہ ٹکٹ مل جائے تو آئندہ کے لئے کان پکڑ لیں۔ معلوم ہوا کہ کسی کو سال میں اگر تین ٹکٹ مل جائیں تو اس کا ڈرائیونگ لائسنس ہی Suspend ہو جاتا ہے اور اگر تین سال میں ایک بھی ٹکٹ نہ ملے تو امتیازی کارکردگی کی سند عطا ہوتی ہے۔ "کوئی آنکھ مجھے دیکھ رہی ہے" اس تصور نے یہاں کے ڈرائیوروں کو بہت ہی محتاط بنا دیا ہے۔ اس وجہ سے ٹریفک کے اعتبار سے یہاں پر حادثات بہت کم ہوتے ہیں اور جو ہوتے ہیں وہ بہت ہی خطرناک۔ ہم مسلمانوں کا بھی اس پر ایمان ہے کہ "کوئی آنکھ ہمیں دیکھ رہی ہے" ____ لیکن یہ ایمان اکثر حالتوں میں صرف زبان کی نوک پر ہے۔ کاش کہ یہ تصور دل میں گھر کر جائے تو روزمرہ کی برائیوں کے یہ حادثے جنم نہ لیں۔ "کوئی آنکھ مجھے دیکھ رہی ہے" ____ اور ____ "ایک روز میرا محاسبہ ہونا ہے" ____ اگر یہ تصورات قلب میں جاگزیں ہو جائیں تو عمل کی دنیا میں ایک انقلاب برپا ہو جائے۔ اور پھر مجال ہے کہ کوئی برائی سر اٹھا سکے۔ افسوس کہ ہم اس دنیا کی "آنکھ" سے تو ڈرتے ہیں لیکن اللہ کی "آنکھ" سے نہیں ڈرتے ____

آج سنیچر کا دن تھا اور سنیچر اور اتوار یہاں پر چھٹی کے دن ہوتے ہیں۔ امریکن بھی کیا

خوب خوش ہیں۔ ہفتہ میں پانچ روز کام کرتے ہیں۔ محنت کے ساتھ اور بہت ہی محنت کے ساتھ اور بقیہ دو روز تفریح کرتے ہیں اور خوب تفریح کرتے ہیں۔ اپنی کاروں میں پورے خاندان کے ساتھ باہر نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ تفریح گاہوں اور ہوٹلوں میں وقت گزارتے ہیں اور دل بھر کر عیاشی کرتے ہیں۔ پانچ دن کی کمائی خوب اچھی طرح خرچ کر کے خالی ہاتھ اور خالی جیب پھر دفتر اور کاروبار پر جا حاضر ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں حیا اور شرم کے تصورات تو عنقا ہیں۔ مادر پدر آزاد معاشرہ ہے۔ عریانی اور برہنگی عام ہے اور ان چھٹیوں کے دن تو سڑکوں اور پبلک مقامات پر یہ عروج کو ہوتی ہے ـــــ حیا اور شرم کے نام پر جو چند دھجیاں انہوں نے ابھی لگا رکھی ہیں یہ معاشرہ ان دھجیوں کو بھی بکھیر کر باہر نکل آنے کو بے تاب ہے ـــــ پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ! ـــــ یہ جس شاخ نازک پہ اپنا آشیاں بنا کر پھولے نہیں سمارہے، کون جانے کہ یہ کتنا ناپائدار ہے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے | کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ زر یہاں کم عیار ہوگا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی | جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

یہاں پر جو مسلمان آئے ہیں وہ ظاہر ہے کہ اچھی ملازمتوں اور بہتر آسائشوں کے لئے آئے ہیں۔ یہاں آکر انہوں نے یہ سب کچھ تو حاصل کر لیا، جسمانی لذتیں تو حاصل ہوگئیں، لیکن دل کی بے کلی کچھ اور بڑھ گئی، رُوح کی بے چینی میں مزید اضافہ ہوگیا ـــــ اس خدا ناآشنا معاشرہ میں ہم نے تو اپنے دین کو، اپنی دینی و ثقافتی روایات کو جیسے تیسے کچھ نہ کچھ سنبھالا ہوا ہے، ہماری ماؤں کا دودھ اور ان کی گود کی تربیت کا کچھ نہ کچھ اثر ابھی ہم میں موجود ہے۔ لیکن ہماری اولاد کا کیا بنے گا! ـــــ کیا وہ اس خدا ناآشنا مادر پدر آزاد معاشرہ میں جذب ہو کر رہ جائے گی؟ ـــــ یہ ہے وہ سوال جو یہاں کے مسلمانوں کو پریشان کئے ہوئے ہے بلکہ کچھ دردِ دل رکھنے والوں کو گھن کی طرح کھائے جارہا ہے۔ اس لئے جگہ جگہ کمیونٹی سنٹر بنائے جارہے ہیں، رابطے کی جگہیں بن رہی ہیں جہاں Social Gatherings ہو سکیں۔ بچوں کو جو امریکی اسکولوں میں زیرِ تعلیم ہیں اور جنہیں امریکی تہذیب کے سانچے میں ڈھالا جارہا ہے انہیں اس کے مضر اثرات سے بچانے کی تدبیریں سوچی جارہی ہیں اور کچھ نہ کچھ عمل کیا جارہا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ہفتہ میں دو روز یعنی سنیچر اور اتوار چونکہ چھٹی کے دن ہوتے ہیں اس لئے کمیونٹی سنٹروں میں ایسے اسکول قائم کئے جائیں جو ہفتہ وار ہوں۔ یعنی ہر

سنیچر یا اتوار کو کلاسیں ہوں جن میں بچوں کو دینی روایات سے آشنا کیا جا سکے اور ضروری دینی علم سکھایا جا سکے۔ مزید برآں بچوں کے اسکولوں کی سالانہ چھٹیوں میں اس طرح کے اسکول روزانہ لگیں لیکن ان تمام مساعی کے نتائج کے بارے میں اکثر لوگ کچھ زیادہ پر امید نہیں ہیں اور فی الواقع کچھ اس شعر کے مصداق نظر آتا ہے ؂

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ای!   باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

واقعتہ سوچنے کا مقام ہے کہ کیا کوئی طوفان کبھی تنکوں کی باڑھ سے رکا ہے؟ ــــــ زمانہ گواہ ہے، تاریخ کے صفحات پکار پکار کر اس حقیقت کو بیان کر رہے ہے کہ طوفان کا رُخ ایک جوابی طوفان سے اور سیلاب کا رخ ایک جوابی سیلاب سے ہی موڑا جا سکتا ہے۔ ہمارے پاس وہ سب کچھ ہے جو مغربی تہذیب کے طوفان کا رخ موڑ سکے بلکہ اس طوفان کو ختم کر کے رکھ دے۔ لیکن افسوس کہ ہم اپنا فرض منصبی بھول کر دنیا کی آسائشوں اور لذتوں میں ایسے مدہوش ہو گئے کہ ہم نے اپنے آپ ہی کو بھلا دیا۔ اور جب ہوش آتا ہے تو اس طوفان کو روکنے کے لئے مکڑی کے جالے بنانے شروع کر دیتے ہیں ؂

تارِ عنکبوت کے جال ہیں بنے ہوئے   لومڑی ہے گھات میں شیر کا شکار ہے
کیا عجب دیار ہے!!   کیا عجب دیار ہے!!

واقعہ یہ ہے کہ یہ چند وعظ اور نصیحتیں، یہ سوشل Gatherings یہ بچوں کے ہفتہ وار اسکول یا سال میں ایک ماہ کے لئے اسکول ــــــ یہ سب کیا ہیں؟ طوفان کا مقابلہ کے لئے تارِ عنکبوت ــــ!

ایک چھوٹی سی خوبصورت جھیل کے کنارے سرسبز و شاداب درختوں کے جھنڈوں کے درمیان یہ ددپا کا کیمپ ہے۔ چھوٹی بڑی بہت سی Huts بنی ہوئی ہیں جہاں پر سینکڑوں افراد کے ٹھہرنے کا معقول انتظام ہے۔ یہ ایک یہودی کی ملکیت ہے۔ ہمارا یہ تربیتی کیمپ دراصل دو کیمپوں پر مشتمل تھا۔ اس میں ایک تو یوتھ کیمپ تھا جو دراصل ان بچوں کے لئے تھا جو اپنے اسکولوں کی چھٹیوں کے دوران ایک ماہ کے اسلامی اسکول سے ابھی ابھی فارغ ہوئے تھے۔ ان میں پرائمری سے ہائی اسکول تک کے ہر عمر کے ایک سو کے قریب بچے تھے۔ ان کے ساتھ بڑی عمر کے کوئی بیس کے قریب کونسلرز تھے۔ بچوں

کے اپنے دینی و تربیتی پروگرام ہوتے تھے۔ بڑی عمر کے بچے ڈاکٹر صاحب کے بھی کچھ پروگراموں میں شرکت کرتے تھے۔ مسلم یوتھ کیمپ دراصل مسلم کمیونٹی سنٹر کے زیر اہتمام تھا۔ دوسرا کیمپ قرآنی تربیت گاہ کا تھا جو تقریباً چالیس بالغ افراد پر مشتمل تھا جن میں خواتین بھی شامل تھیں۔ ٹورنٹو (کناڈا) کی تنظیم اسلامی کے امیر ڈاکٹر عبدالفتاح صاحب بھی مع دو رفقاء کے تشریف لائے ہوئے تھے۔ اس تربیت گاہ کا اہتمام انجمن خدام القرآن شکاگو نے کیا تھا۔ مسلم کمیونٹی سنٹر کو مسلم یوتھ کیمپ اور انجمن خدام القرآن شکاگو نے قرآنی تربیت گاہ منعقد کرنا تھا۔ اس لئے سوچا یہ گیا کہ انہیں مشترکہ ہی کر لیا جائے تاکہ انتظامات میں آسانی ہو سکے۔ اس کے جہاں مفید پہلو تھے وہاں کچھ مضر پہلو بھی ظاہر ہوئے۔ آئندہ کے لئے ڈاکٹر صاحب نے ہدایت فرمائی کہ قرآنی تربیت گاہ کو یوتھ کیمپ ساتھ نہ ملایا جائے بلکہ اس کو علیحدہ منعقد کیا جائے۔ البتہ اس میں ہائی اسکول کے طلباء شرکت کرنا چاہیں تو انہیں خوش آمدید کہا جائے۔

ہفتہ کے روز ہی سے کیمپ کی کارروائی مغرب تا عشاء ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی 'عظمت قرآن' کے موضوع پر تقریر سے شروع ہوئی۔ یہ تقریر ڈاکٹر صاحب نے اردو میں کی۔ چونکہ دن بھر کے سفر کی وجہ سے تکان تھی اس لئے عشاء کے بعد جلد ہی سو گئے۔ اتوار ۲۲ اگست سے جمعہ ۲۷ اگست تک قرآنی تربیت گاہ کے شب و روز کی ترتیب یہ تھی :-

صبح ۵ بجے فجر کی اذان، ساڑھے پانچ بجے نماز، ساڑھے چھ بجے ڈاکٹر صاحب کا ایک گھنٹہ کا انگریزی میں لیکچر، آٹھ بجے ناشتہ، نو بجے دیوبند سے آئے ہوئے شعبۂ تجوید کے سربراہ مولانا قاری عبداللہ سلیم صاحب کا لیکچر، دس بجے سے بارہ بجے تک ڈاکٹر صاحب کا درس قرآن حکیم، بارہ بجے لنچ، ایک بجے نماز ظہر، پانچ بجے نماز عصر، چھ بجے ڈنر، ساڑھے سات بجے نماز مغرب اور اس کے فوراً بعد سے عشاء کی اذان تک ڈاکٹر صاحب کا درس قرآن حکیم، ساڑھے نو بجے عشاء کی اذان اور پھر نماز ـــــ درمیانی وقفوں میں یوتھ کیمپ کے بچوں کے پروگرام ہوتے تھے اور آپس میں تبادلۂ خیالات اور ملاقاتوں کا وقت مل جاتا تھا۔

ڈاکٹر صاحب کی صبح کی انگریزی تقریر میں طلباء بھی شامل ہوتے تھے۔ ان تقاریر کے

موضوعات یہ تھے ۔ اتوار (ایمان) پیر (اسلام) منگل (صلوٰۃ) بدھ (صوم) جمعرات (زکوٰۃ) جمعہ (حج وجہاد)

انگریزی کی یہ تقاریر سادہ انگریزی میں نہایت جامع تھیں ۔ وہاں کے احباب نے ان کو ٹیپ بھی کر لیا تھا اور وی سی آر کے ذریعے ان کی فلم بھی تیار کی گئی ۔ ویسے امریکہ میں جہاں بھی ڈاکٹر صاحب کا درسِ قرآن یا خطاب ہوا وہ ٹیپ ریکارڈر اور وی سی آر کی فلم کے ذریعے وہاں کے احباب کی طرف سے محفوظ کیا جاتا رہا ۔ مجھے شکاگو کے احباب سے توقع ہے کہ وہ ددپاکا کیمپ کی ان چھ تقاریر کو ٹیپ سے صفحۂ قرطاس پر جلد منتقل کر لیں گے تاکہ انہیں کتابی صورت میں شائع کیا جاسکے ۔

قبل ظہر اور بعد مغرب کے دروسِ قرآن حکیم کی ترتیب یہ تھی ۔ اتوار کو قبل ظہر سورہ بنی اسرائیل کے چند منتخب مقامات کا درس ، بعد مغرب کے درس میں سورہ بنی اسرائیل اور سورہ کہف کے چند مقامات کا موازنہ ، پیر ، منگل اور بدھ کے صبح وشام کے اوقات میں سورہ کہف کا مسلسل درس دیا جاتا رہا ، جمعرات کو صبح کی نشست میں سورہ کہف ختم کی اور شام کی نشست میں سورہ مریم کے دو رکوع کا درس ہوا ۔ جمعہ کی دونوں نشستوں میں سورہ آل عمران اور سورہ نساء کے کچھ مقامات زیرِ درس رہے ۔ جمعہ کا خطبہ بھی ڈاکٹر صاحب نے ددپاکا کیمپ میں دیا جو انگریزی میں تھا ۔ جمعہ کے دن چھٹی کی وجہ سے شکاگو سے مزید حضرات تشریف لے آئے تھے ۔ مجموعی طور پر اس روز ڈاکٹر صاحب نے تقریباً ساڑھے پانچ گھنٹے درس وخطاب میں صرف کئے ۔

ددپاکا کیمپ میں کچھ حضرات سے خصوصی ملاقاتیں ہوئیں جن میں جماعت اسلامی ہند سے وابستہ جناب عرفان احمد خان صاحب ، دیو بند کے شعبۂ تجوید کے سربراہ مولانا قاری عبداللہ سلیم صاحب ، دیوبند کے مولانا حامد اللہ انصاری غازی صاحب کے صاحب زادے مولانا عابد اللہ غازی صاحب (جو شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ کی جانب سے شکاگو میں ایک Assignment پر ہیں) اور چند دیگر حضرات شامل تھے ۔ سعودی عرب سے دو بھائی ڈاکٹر شجاعت علی برنی اور ڈاکٹر فرحت علی برنی شکاگو آئے ہوئے تھے ، انہیں جب اس کیمپ کا معلوم ہوا تو وہ بھی چند روز تک بلاناغہ درس میں شرکت کرتے رہے ۔ یہ دونوں نوجوان ڈاکٹر صاحب سے پہلے سے بہت متاثر تھے ۔ اور درس وتقریر کے کیسٹ سن چکے تھے ۔

ان حضرات نے ڈاکٹر صاحب کو سعودی عرب تشریف لانے کی دعوت دی۔ ان بھائیوں کے ساتھ مدینہ منورہ کے ایک نوجوان احمد اشرف صاحب بھی آتے رہے۔ کیمپ کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ فارغ اوقات میں انجمن خدام القرآن شکاگو اور تنظیم اسلامی شکاگو کے وابستگان سے تبادلۂ خیالات اور ان کے ساتھ تعلقات بڑھانے کا بہت موقع ملتا رہا۔ جس کی شہر کی مصروف زندگی میں بالکل توقع نہیں تھی۔ کیمپ کے ڈائننگ ہال میں چائے کا گرم پانی چوبیس گھنٹے موجود ہوتا تھا۔ جب چاہیں چائے کا بیگ یا کافی ڈال کر پیالیاں تیار کر لیتے اور گفتگو شروع کر دیتے۔ کیمپ کے انتظامات بہت اچھے تھے۔ کھانے پینے کی اشیاء وافر مقدار میں فراہم کی جاتی تھیں۔ جھیل پر کشتی رانی کا بھی بہترین انتظام تھا۔ موٹر بوٹ، بادبان کشتی اور عام کشتیاں ہر وقت موجود ہوتی تھیں۔ کراچی کی تنظیم اسلامی کے نوجوان رفیق اور میڈیکل کے طالب علم فصاحت اللہ حسینی ہم سے دو روز قبل کراچی سے شکاگو آ گئے تھے۔ وہ بھی کیمپ میں ساتھ تھے۔ اور یوتھ کیمپ کے لیے از کونسلرز تھے۔ موصوف شکاگو اور لاس انجیلز کے دورہ کے دوران بھی ہمارے ساتھ رہے۔

کیمپ کی قابل ذکر شخصیت ڈاکٹر احمد سکر کی تھی۔ موصوف کا تعلق فلسطین سے ہے۔ عرب ممالک میں کافی عرصہ سے ہے۔ ایک علمی شخصیت ہیں اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ یوتھ کیمپ میں تربیت کی اصل ذمہ داری انہی پر تھی اور آپ نہایت حکمت اور محنت کے ساتھ شب و روز طلباء کی تربیت میں منہمک رہتے تھے۔

وہ پاکا کیمپ میں ہمارے ساتھیوں نے محترم ڈاکٹر صاحب کی انگریزی و اردو کتب' ماہنامہ 'میثاق' اور 'حکمت قرآن' اور دروس و تقاریر کے کیسٹوں کا اسٹال لگایا ہوا تھا۔ انجمن خدام القرآن شکاگو کے دو کارکن بشیر احمد صاحب اور آدم بدھانی صاحب یہ کام کرتے رہے۔ شکاگو میں جب اور جہاں بھی ڈاکٹر صاحب کی تقریر ہوئی یہ حضرات اسٹال کے ساتھ موجود ہوتے تھے۔ معلوم ہوا کہ مسلم کمیونٹی سنٹر کے ہفتہ وار اجتماعات میں یہ حضرات اسٹال ضرور لگاتے ہیں۔ بغیر کسی مالی منفعت کے یہ حضرات بہت محنت سے کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجر عطا فرمائے۔ آمین! دو سو کے قریب مختلف موضوعات پر ڈاکٹر صاحب کے خطابات و دروسِ قرآنِ حکیم کے کیسٹ ان حضرات نے لاہور سے منگوا کر ان کی کاپیاں بنوائی ہیں اور شب و روز ان کو شکاگو اور بیرونِ شکاگو پھیلانے میں لگے ہوئے

ہیں۔ تنظیم اسلامی شکاگو کے ایک اسرہ کے ناظم وجیہ الدین صاحب یہ کام دی سی آر کے ذریعے کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

۲۸ اگست کو ہفتہ کے دن ہماری 'دو پاکا' کیمپ سے شکاگو واپسی ہوئی۔ اسی روز شام کو بعد نماز مغرب مسلم کمیونٹی سنٹر کے وسیع ہال میں ڈاکٹر صاحب کی اردو میں تقریر ہوئی۔ موضوع تھا "خلفاء راشدین"۔ ڈاکٹر صاحب نے اس تقریر میں امامت و خلافت کے فرق پر بھی سیر حاصل گفتگو فرمائی۔ یہ تقریر دو نشستوں میں مکمل ہوئی۔ پہلی ہفتہ کو بعد از نماز مغرب اور دوسری نشست اتوار کو بعد نماز ظہر ہوئی۔ اتوار کو مسلم کمیونٹی سنٹر کی پرانی عمارت میں تنظیم اسلامی شکاگو کا ایک اجتماع ہوا جس میں اس کے رفقاء نے شرکت کی۔ امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے خطاب فرمایا۔ بعد میں اس خاکسار نے رفقاء سے ان کے مسائل پر گفتگو کی۔ حیدر آباد (دکن) کے مشہور دانشور اور مصنف میر ولی الدین صاحب کے صاحبزادے میر حمید الدین صاحب مشیگن سے ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کے لئے قیام گاہ پر تشریف لائے۔ کافی دیر تبادلۂ خیالات ہوتا رہا۔ اپنے والد بزرگوار کی کتابوں کے چند نئے ایڈیشن بھی ڈاکٹر صاحب کو ہدیہ کئے۔ موصوف مشیگن میں دین کی دعوت پھیلانے کا کام کر رہے ہیں۔ انجمن خدام القرآن شکاگو کا جب قیام عمل میں آیا تھا تو موصوف اس وقت شکاگو ہی میں تھے۔ اور انجمن کا پہلا صدر انہی کو مقرر کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے کام سے موصوف کو خاصی دلچسپی ہے۔ 'میثاق' اور 'حکمت قرآن' کے خریدار بنے اور انگریزی اور اردو تمام کتب ارسال کرنے کی فرمائش کی۔

پیر ۳۰ اگست کی شام کو شکاگو سے کوئی دو سو میل دور ایک مقام پیوریا (PEORIA) میں ڈاکٹر صاحب کی انگریزی میں تقریر ہوئی جس کا موضوع تھا " BASIC DUTIES OF MUSLIMS "۔ حاضری کوئی پچاس کے لگ بھگ ہوگی۔ جن میں خواتین بھی شامل تھیں۔ اجتماع میں ایک انجنیئر بھی شریک تھے جنہیں اپنی بیگم سے یہ شکایت تھی کہ وہ امریکہ آکر بھی برقعہ نہیں اتارتیں۔ اور واپس پاکستان چلنے کو کہتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان کی بیگم اسلامی جمعیت طالبات کراچی کی سیکرٹری تھیں۔ پردہ کی جس طرح وہ پاکستان میں پابندی کرتی تھیں یہاں بھی کر رہی ہیں۔ ہم اپنی ان بہن کو ان کی اس استقامت پر سلام کرتے ہیں۔

۳۱ اگست بروز منگل بعد نماز مغرب محترم ڈاکٹر صاحب کی شکاگو کے مضافات میں

میں ایک مقام المڈیل (ELMDALE) کی مسجدِ حمیدیہ میں تقریر ہوئی جس کا موضوع تھا " ہمارے دینی فرائض ' اسوۂ حسنہ کی روشنی میں " یہ تقریر اردو میں تھی۔ حاضری ستر (۷۰) کے لگ بھگ تھی۔ خواتین اس کے علاوہ تھیں۔ اس مسجد پر تبلیغی جماعت کا اثر ہے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ خواتین کے لئے علیحدہ پردہ کا انتظام کیا گیا تھا۔

یکم ستمبر بروز بدھ بعد نماز مغرب شکاگو کے مضافات میں ایلجن (ELGIN) نامی مقام پر اسلامک سنٹر میں " سیرتِ نبوی " کے موضوع پر ڈاکٹر صاحب نے اردو میں تقریر فرمائی۔ یہ مقام شہر سے کوئی پچاس میل دور ہے ــــــ GREATER CHICAGO اتنا پھیلا ہوا ہے کہ پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ میل سے لوگ شہر کو جاتے ہیں اور یہ فاصلہ وہاں کے لوگوں کے لئے کوئی زیادہ نہیں ہوتا۔ آج صبح ہم شہر گئے۔ کناڈا کے قونصل خانہ سے وہاں کا ویزا لینا تھا شکاگو شہر مشگن (MICHIGAN) جھیل کے ساتھ پھیلتا چلا گیا ہے۔ جھیل کے ساتھ کا علاقہ DOWN TOWN ہے۔ دراصل ہر شہر کا مرکزی علاقہ DOWN TOWN کہلاتا ہے یہاں پر سر بفلک عمارات (SKY SCRAPERS) ہیں۔ جن SEARS TOWER بھی ہے جو ۱۱۰ منزلہ ہے اور عمارات میں دنیا کی سب سے اونچی عمارت ہے۔ معلوم ہوا کہ اس عمارت کا ڈیزائن ایک پاکستانی نے تیار کیا تھا۔ پوری عمارت میں بڑے بڑے تجارتی اور صنعتی اداروں کے دفاتر ہیں۔ عمارت کے اوپر جانے والے شائقین کے لئے دیوہیکل LIFTS ہیں جو ایک منٹ سے بھی کم وقت میں عمارت کی 103 ویں منزل پر پہنچاتی ہیں جہاں سے شہر کے چہار طرف کا دلفریب منظر دیکھا جا سکتا ہے۔ لفٹ میں داخلہ ٹکٹ سے ہے۔ دنیا کی اس عظیم اور سب سے اونچی عمارت پر چڑھنے کا " شرف " ہمیں بھی حاصل ہوا ــــ جھیل کے ساتھ DOWN TOWN کی اس بڑی شاہراہ پر ایک بڑی عمارت میں ایسٹ ویسٹ یونیورسٹی EAST WEST UNIVERSITY قائم ہے۔ جو دراصل اس کے چانسلر جناب ڈاکٹر وصی اللہ خاں صاحب کی شب و روز کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ ڈاکٹر وصی اللہ خاں صاحب کا تعلق لاہور سے ہے اور ان کا ذکر اس سے قبل ڈاکٹر صاحب بھی اپنی بعض تحریروں میں کر چکے ہیں۔ موصوف نے ڈاکٹر صاحب کو آج یونیورسٹی کے معائنہ کی دعوت دی تھی۔ چنانچہ کناڈا کے قونصل خانہ سے ہم لوگ یونیورسٹی پہنچ گئے جو وہاں سے چند قدم کے فاصلے پر واقع ہے۔

ایسٹ ویسٹ یونیورسٹی امریکہ میں مسلمانوں کی پہلی یونیورسٹی ہے جو مشیگن جھیل کے سامنے شہر کے سب سے زیادہ مرکزی علاقہ ساؤتھ مشیگن ایونیو پر واقع ہے۔ اس کی اپنی عمارت ہے جو اکتوبر ۸۰ء میں دس لاکھ ڈالر (تقریباً ایک کروڑ روپیہ) سے زیادہ رقم میں خریدی گئی۔ یہ چار منزلہ عمارت ہے۔ جس میں وسیع تہہ خانہ (BASEMENT) کے علاوہ طلباء کا لاؤنج، آڈیٹوریم، لیبارٹریز، لائبریری، لیکچر ہال، کلاس رومز، دفاتر وغیرہ واقع ہیں۔ برابر کی پندرہ منزلہ عمارت کو خریدنے کے لئے بات چل رہی ہے۔ یہ ایک وسیع عمارت ہے جس میں ۲۵۵ کمرے، کئی کانفرنس ہال، ریسٹورنٹ، سوئمنگ پول اور ۱۱۰ گاڑیوں کے لئے پارکنگ کی جگہ ہے۔ سات تاسیسی ارکان پر مشتمل اس کا ایک پلاننگ گروپ ہے جس کے چیئرمین ڈاکٹر وصی اللہ خان صاحب خود ہیں۔ فروری ۷۹ء میں اس یونیورسٹی کی رجسٹریشن (INCORPORATION) ہوئی۔ مئی ۸۰ء میں ریاست ILLINOIS کے بورڈ آف ہائر ایجوکیشن نے اس کو APPROVAL عطا کی۔ ستمبر ۸۰ء میں ایسوسی ایٹ اور بیچلرز ڈگری پروگرام کی کلاسیں شروع ہوئیں۔ مئی ۸۱ء تک کے ختم ہونے والے عرصہ میں تقریباً چھ سو طلباء نے داخلہ لیا۔ سعودی عرب کے شہزادہ محمد بن فیصل نے رسمی طور پر نومبر ۸۰ء میں اس یونیورسٹی کا افتتاح کیا۔ شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ کے صدر ڈاکٹر عبداللہ نصیف اس یونیورسٹی کے معاملات میں خصوصی دلچسپی لیتے ہیں۔ یونیورسٹی میں اسلامک سٹڈیز کا شعبہ بھی کھل گیا ہے اور یہ یونیورسٹی روز بروز ترقی کی منازل طے کر رہی ہے۔

ڈاکٹر وصی اللہ خان صاحب نے جو یونیورسٹی کی فکر کے خالق اور اس کے روح رواں ہیں ہمیں یونیورسٹی کے تمام شعبوں کا معائنہ کرایا اور اس کے بعد قریب ہی ایک ہوٹل میں پرتکلف ظہرانہ کا اہتمام فرمایا۔ پچھلے سال جب ڈاکٹر صاحب امریکہ کے دورہ پر گئے تھے جب بھی ڈاکٹر وصی اللہ خان صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو یونیورسٹی کے معائنہ کی دعوت دی تھی اور اس کی ترقی کے لئے دعا کرائی تھی۔ اب وہ ڈاکٹر صاحب کے بہت ممنون تھے کہ ان کی دعا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یونیورسٹی نے اس ایک سال میں بہت ترقی کی۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحب سے دعا کی درخواست کی کہ یہ یونیورسٹی کفر کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں حق کا ایک روشن چراغ بن کر ابھر سکے۔

جمعرات ۲ ستمبر کی شام کو ڈاکٹر محمد اشرف طور صاحب کے مکان پر کچھ حضرات جمع تھے وہاں پر ڈاکٹر صاحب نے ان حضرات سے مختلف مسائل پر تبادلۂ خیال کیا۔ ان مسائل میں وہاں کے مقامی مسائل، پاکستان کے مسائل اور دینی مسائل شامل تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس اجتماع میں بھی اور اسی طرح دیگر مقامات پر اجتماعات میں بھی صاف صاف کہا کہ آپ حضرات کو فیصلہ کر لینا چاہیئے کہ آپ کو مستقلاً یہاں رہنا ہے یا وطن (پاکستان یا ہندوستان) واپس جانا ہے۔ تذبذب اور گومگو کی پالیسی ٹھیک نہیں ہے۔ اگر مستقلاً یہاں رہنے کا خیال نہیں ہے تو بہتر ہے کہ جلد از جلد وطن واپس جانے کی سوچیں۔ جو حضرات مستقلاً یہاں رہنے کا فیصلہ کر لیں ان کو چاہیئے کہ چھوٹے چھوٹے مقامات کی بجائے اپنے آپ کو بڑے شہروں میں مجتمع کر لیں اور وہاں بھی یہ کوشش ہو کہ ایک ساتھ رہنے کے لئے اپنی علیحدہ کالونیاں بنائیں جہاں پر کوشش کریں کہ آپ کے اپنے تعلیمی ادارے ہوں۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب نے پارسیوں کی مثال پیش کی کہ انہوں نے پاکستان میں رہائش کے لئے کراچی کا انتخاب کر کے وہاں اپنی علیحدہ کالونیاں، اپنے الگ ادارے بنا کر کس حسن طریق پر اپنے تشخص کو برقرار رکھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ پھر آپ کو دین کے ایک علمبردار کی حیثیت سے اپنے آپ کو پیش کرنا چاہیئے۔ آپ کا مقام داعی کا ہے اور آپ کا فرض ہے کہ امریکہ میں اپنے دین کی دعوت کو اعلیٰ علمی سطح پر کمال حکمت کے ساتھ پہنچائیں۔ امریکہ میں جہاں بہت سی خرابیاں ہیں وہاں اپنی دعوت پھیلانے کی آزادی بھی ہے۔ کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ حتیٰ کہ کمیونسٹ پارٹی تک کو کام کرنے کی آزادی ہے۔ آپ بھی اپنے ذرائع ابلاغ کو وسیع کر کے اس کام کو کر سکتے ہیں۔ پھر امریکہ میں جو BLACK MUSLIMS ہیں اور جو اپنے آپ کو BILALIANS کہتے ہیں، امریکہ کی عام عیسائی آبادی کے دلوں میں ان کے EXTREMIST IDEAS کی وجہ سے کوئی اچھا تاثر پیدا نہیں ہوا اور تصادم کی فضا قائم رہتی ہے۔ ان حالات میں اگر آپ صحیح اسلام کی دعوت DYNAMIC انداز میں پیش کریں گے تو مقامی آبادی اس پر غور کرے گی، اس پر سوچے گی، آپ سے اس بارے میں تبادلۂ خیال کرے گی اور اس طرح ان تک آپ کو اپنے خیالات پہنچانے کے بہتر مواقع حاصل ہوں گے اور کیا عجب کہ آپ کے دعوتی کام سے ایک روز امریکہ کی قسمت بدل جائے۔ اور وہ دنیا کے لئے ایک مینارۂ

نور ثابت ہو سکے! اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد سے جب کوئی قوم بدعہدی کرتی ہے جیسا کہ آج ہم کر رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کسی دوسری قوم کو اٹھاتا ہے اور یہ فرض منصبی اس کو سونپتا ہے۔ مسلم ممالک جس طرح دین سے دور جا پڑے ہیں اور روز بروز دین سے دور ہوتے جا رہے ہیں ایسے میں کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں اب کسی غیر مسلم قوم کو ابھارنا لکھا ہو کہ ع "پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے" وہ تاتاری جنہوں نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی اور مسلمان اس طوفان میں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے تھے، جب راہِ راست پر آئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کی توفیق دی تو انہی نے عظیم الشان حکومتیں قائم کیں ــــــ اب کیا عجب کہ اسلام کا مستقبل امریکیوں کی قسمت میں لکھا ہو۔ اس لئے آپ دین کی دعوت کو پہنچانے کے لئے محنت کیجئے، اس کو سمجھئے، اس پر خود عمل کیجئے، اسے دوسروں تک پہنچائیے اور اس کو قائم کرنے کے لئے اپنے مال اور جسم و جان کی تمام صلاحیتوں کو تج دیجئے۔

۲ ستمبر کو جمعہ تھا۔ جمعہ کا خطبہ ڈاکٹر صاحب نے انگریزی میں مسلم کمیونٹی سنٹر (MCC) میں دیا اور شام کو انجمن خدام القرآن شکاگو کے ارکان سے خطاب کیا۔ فجر کی نماز کے بعد جماعت اسلامی ہند سے وابستہ ڈاکٹر عبدالسلام انصاری صاحب ملاقات کے لئے تشریف لائے انہوں نے ریاضی میں ڈاکٹریٹ کی تھی اور اب یہاں پر ایک یونیورسٹی میں استاذ ہیں۔ انہوں نے تحریکِ اسلامی اور دیگر مسائل پر دیر تک ڈاکٹر صاحب سے گفتگو کی۔

۴ ستمبر کو ہفتہ کے دن صبح دس بجے ہم ٹرانس ورلڈ ایر لائنز (TWA) کے طیارہ سے شکاگو سے لاس انجلیز کے لئے روانہ ہوئے۔ لاس انجلیز کے وقت کے مطابق ہم دوپہر ایک لاس انجلیز پہونچے پانچ گھنٹے کی پرواز تھی۔ لاس انجلیز کا وقت شکاگو سے ڈھائی گھنٹے پیچھے ہے۔ اس طرح لاہور اور لاس انجلیز کے وقت میں پورے بارہ گھنٹے کا فرق ہے۔ یعنی یہاں کے دوپہر ایک بجے کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت لاہور میں اگلے دن کے رات کے ایک بج رہے ہوں گے۔ یہاں تک آ کر ہم نصف دنیا سے زائد حصہ طے کر چکے تھے۔ یورپ کے راستے ہم لاہور سے یہاں تک پہنچے ہیں۔ فاصلہ کے اعتبار سے لاس انجلیز سے یورپ کے راستے لاہور دور ہے، بحرالکاہل کی طرف سے مشرق بعید کے راستے لاہور قریب ہے ــــــ دنیا کتنی چھوٹی ہے اور سکڑ کر رہ گئی ہے اس کا ہمیں احساس ہوا ــــ

ــــــ اور ہاں یہ دنیا تو اس عظیم کائنات کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ اس کائنات کی عظمت کا کیا ٹھکانہ ہے ــــــ اللہ اکبر! (جاری ہے)

بقیہ 'افکار و آراء'

خوف آیا کہ کوئی اُن کو سیکولرزم کا طعن کرے، اور نہ اس کا اندیشہ پیدا ہوا کہ کوئی اُن کی فرقہ پرستی کا چرچا شروع کر دے گا۔

خدا کرے کہ ڈاکٹر صاحب بخیر و عافیت و کامران اپنے سفر دعوت و تبلیغ سے واپس تشریف لائیں اور دنیا کے کونے کونے میں اُن کی دعوت کی آواز گونجے۔ آمین:۔

اُمید ہے آپ کا مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ والسلام۔ محتاج دعا: شبر بہادر جی

"اِسلام میں خواتین کا مقام"

کے موضوع پر

ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب

ماہنامہ میثاق کے مئی ۸۲ء کے شمارے

یعنی اشاعت خصوصی میں ملاحظہ فرمائیں

مزید برآں

اسی موضوع پر دیگر اصحابِ علم و دانش کی تحریریں بھی اس اشاعتِ خصوصی میں شامل ہیں

یہ شمارہ دفتر میں محدود تعداد میں موجود ہے

قیمت فی پرچہ (قسم ادنیٰ) -/۶ روپے (قسم اعلیٰ) -/۱۰ روپے

افکار و آراء

(۱)

بریگیڈئیر (ریٹائرڈ) راجہ خورشید احمد صاحب کی حال ہی میں ایک کتاب "اسلام میں عورت کا مقام: پردہ اور چار دیواری" زاویہ فردوس - پھول گران اسلام آباد کی جانب سے شائع کی گئی ہے - سائز $\frac{20 \times 30}{16}$ اور ضخامت ۱۳۶ صفحات سفید آفسٹ پیپر اور قیمت پندرہ روپے ہے جو قدرے زیادہ معلوم ہوتی ہے - اس کتاب میں جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے محض ان چند جملوں پر جو اسلام میں عورت کے اصل مقام اور تشخص کے متعلق روز نامہ جنگ میں شائع ہوئے تھے - اخبارات و رسائل میں جو محاذ آرائی ہوئی تھی اس کو موضوع بنا کر صاحب تالیف نے یہ کتاب مرتب کی ہے اور اس میں اس بحث میں حصہ لینے والوں کے خیالات پیش کر کے اپنا نقطۂ نظر پیش کیا ہے - اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب کے موقف سے اختلاف کرتے ہوئے تیکھے انداز میں ان کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے - لیکن بحیثیت مجموعی ان کے خیالات اُس نظریے سے اقرب نظر آتے ہیں جو 'عورت کے مقام' کے بارے میں اسلام کا ہے - اور کتاب قابلِ مطالعہ ہے -

راجہ صاحب موصوف کی طرف سے حال ہی میں یہ کتاب ایک مکتوب کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کو موصول ہوئی ہے - ان کا مکتوب حسب ذیل ہے: (ادارہ)

مکرمی السلام علیکم میثاق کی اشاعت خصوصی میں "اسلام میں خواتین کا مقام" بھی پڑھا — کاش یہ خطبہ میں نے پہلے پڑھا ہوتا - تو اپنی کتاب "اسلام میں عورت کا مقام (پردہ اور چار دیواری) میں اس سے پورا استفادہ حاصل کرتا -

ڈاکٹر صاحب کے اس خطبہ کو ٹھنڈے دل سے پڑھنے کے بعد مجھ ناچیز اور کم

علم پر اب کوئی رائے دینا - سورج کو چراغ دینا ہوگا - من آنم کہ من دانم - کہاں میں اور کہاں ڈاکٹر صاحب آپ نے یہ خطبہ مکمل صورت میں شائع کرکے ڈاکٹر صاحب سے منسوب کئے جانے والے کئی شبہات دور کر دیئے - ذہن صاف ہوگیا ہے - اللہ ہم کو معافی دے -

میری کتاب بلکہ کتابچہ ایک طفلِ مکتب کی کاوش ہے چونکہ یہ کتاب ڈاکٹر صاحب کا مکمل خطبہ پڑھنے سے پہلے شائع ہو چکی تھی - اس لئے اس میں جو خامیاں پائی جائیں - اُس کی صحت کے لئے میری مناسب رہنمائی کی جائے -

ویسے میری کتاب کا بیشتر مواد اخذ شدہ ہے - میں نے ترتیب وتالیف کی ہے - میری آپ جیسے علمائے کرام سے بس اتنی گزارش ہے کہ نظام اسلام کو لانے کے لئے ترجیحات مقرر کریں - اور اُن مسائل کا جن کا حل یا تو قرآن و حدیث میں مل سکتا ہے - یا وہ اجتہاد اور قیاس کی منزل کا انتظار کر سکتے ہیں - کو زیادہ اُچھالا نہ جائے - نماز اور قرآن مجید کی تلاوت (ترجمہ کے ساتھ) پڑھنے پر زور دیا جائے - خدا ہم کو ہدایت دے -

والسلام آپکا خادم

راجہ خورشید احمد

(۲)

مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں مکہ مکرمہ میں تھا جب سب سے پہلے اخبارات میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے "خواتین کا اسلام میں مقام" کے بارے خواتین کے ایک حلقے میں ہنگامہ آرائی ہوئی، یہاں آکر تفصیل سے ڈاکٹر صاحب کے خیالات کے مطالعے کا موقع ملا، اور ان کے ارشادات کو قرآن وسنت کے عین مطابق پایا۔ میں تو لوگوں کو کہتا ہوں آپ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے کیوں خفا ہوتے ہیں، وہ تو آپ کے سامنے قرآنی آیات اور احادیث پیش کر رہے ہیں، وہ حق بات کہتے ہیں میں نے اپنی تعلیم کے سلسلے میں تقریباً دس سال پیرس میں گزارے ہیں، وہاں کی خواتین جس راہ پر چل پڑی ہیں، اور جن کا اتباع ہمارے ہاں بعض

خواتین کرنا چاہتی ہیں، تو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ راہ از حد خطرناک ہے، انکے اپنے لئے تباہ کن ہے، مغربی معاشرہ سکون کی تلاش میں ہے، جو انہوں نے کھو دیا ہے۔ اصل راستہ وہی اسلامی راستہ ہے، جو میانہ روی کا راستہ ہے، جو کہ اسلام عورت کو اور مرد کو دکھاتا ہے، اور جس کی نشاندہی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے کی ہے، میں آجکل فرانسیسی زبان میں "مسلمان عورت جدید معاشرے میں" کے موضوع پر کام کر رہا ہوں اور ڈاکٹر اسرار صاحب کے خیالات سے مستفید ہوا ہوں۔

اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو یہ نیک کام کرنے کی ہمت دیتے رکھے، حق کا راستہ یقیناً مشکل راستہ ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہو تو گھبرانے کی بات نہیں ہوتی،

اللہ والے جانتے ہیں، بقول بلھے شاہ:

سچ آکھیاں بھانبڑ مچدا اے

مخلص، ڈاکٹر لئیق بابری (مرکزِ تحقیقات فرانسیسی) اسلام آباد

(۳)

السلام علیکم۔ وطن سے دُوری کے باعث مُلکی حالات کے متعلق خبریں اگرچہ تفصیل سے نہیں ملتی تاہم بعض خبریں جو دلچسپ ہوتی ہیں، اکثر و بیشتر موضوعِ بحث بنتی ہیں۔ حال ہی میں ڈاکٹر صاحب کے پردے کے متعلق بیانات اور پھر اس پر ہونے والا رَدِّ عمل۔ یہ خبریں ایسی ہیں کہ ان سے لاتعلق نہیں رہا جا سکتا۔ ڈاکٹر صاحب نے قرآن و سُنّت کے مطابق جو تقاریر کی ہیں وہ انہیں خدا کے رُوبرُو اس فرض سے بری الذّمہ کریں گی جو علماء کرام پر عائد ہوتا ہے۔ تاہم حکمران طبقہ ضرور جواب دہ ہوگا جو مغرب زدہ بااثر خواتین کے سامنے حق بات نہ کہہ سکا اور نہ اس پر عمل نہ کر سکا ——— اور روزِ محشر میں جسکی بھی جواب طلبی ہوتی سمجھ لیجئے کہ اُس کی شامت آ گئی۔

میں دراصل اس خط کے ذریعہ اپنے اُن جذبات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں جو میں محترمی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے لئے اپنے دل میں رکھتا ہوں ڈاکٹر صاحب

قابلِ ستائش ہیں کہ ہمارے ملک کے امیر فرنگیانہ نظام میں بنا کسی ہمت مبا لگی لپٹی کئے ، حق بات کہتے ہیں - اللہ تعالیٰ انہیں حق بات کہنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی ہمت و توفیق دے - آمین ۔

ایک تصویر ارسال خدمت ہے (اس تصویر میں تین کو" قرآن خوانی" کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے - جن میں سے دو کے صرف نصف سر پہ باریک ساد وپٹہ ہے) یہ تصویر اُس اخبار میں چھپی ہے جس میں کچھ عرصہ پہلے ڈاکٹر صاحب کا ایک مفصل انٹرویو شائع ہوا ہے - کیا یہ صحیح نہیں کہ آجکل قرآن خوانی محض ایک رواج اور رسم بن کر رہ گئی ہے بالکل ایسے ہی جیسے ہندو دھرم میں مختلف رسومات ادا کی جاتی ہیں - قرآن کریم پڑھنے سے برکت ، رحمت اور ہدایت صرف اُسی صورت میں ملے گی جب ہم اسے کلام الٰہی تصور کر کے عزت و احترام سے خلوصِ دل سے اور تدبر سے رہنمائی اور زندگی کے لئے ہدایات حاصل کرنے کی نیت سے پڑھیں گے - ورنہ جہاں یہ کتاب باعث رحمت ہے تو اس کی بے ادبی باعثِ زحمت بھی ہے -

دُعاگو - صفدر حسین (سعودی عرب)

(۴)

ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنی (ایبٹ آباد) کے دو مکتوب

محترمی السلام علیکم ـــــ آپ نے " حکمت قرآن" جولائی-اگست ۱۹۸۲ء نمبر میں ڈاکٹر صاحب محترم کا ایک ۵ - ۶ سال پرانا مضمون شائع فرمایا - صفحہ ۲۴ - ۲۶ - حالانکہ بعد میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے تصحیح فرمادی تھی کہ قول مذکور" حضرتِ امام مالکؒ کا ہے - نہ کہ حضرت ابوبکرؓ کا")

صفحہ ۳۳ پر مولانا آزادؒ کے بارے میں جو غلطی بیان تھی - اس سے بھی ڈاکٹر صاحب نے رجوع فرما لیا تھا - اور یہ" حکمتِ قرآن" کے عین مطابق بھی ہے اور مطلوب بھی -

مجلّہ" میثاق" ، وقت کی ایک اہم ضرورت تبلیغ دین - بوجوہ احسن ، پوری کر رہا ہے - اس میں ڈاکٹر صاحب محترم کی تقاریر و تحریرات ، جو اخلاص

وحکمت دین کے مٹھاس سے دلپذیر ہوتی ہیں ۔ بہت مؤثر ہوتی ہیں اور

؎ یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

کی آئینہ دار ہوتی ہیں ۔

"حکمت قرآن" کو بھی اسی پایہ تک پہنچانے کی کوشش فرمائیں ۔

جزاک اللہ ۔ والسلام شبیر بہادر خان

(اس مکتوب کے متعلق ڈاکٹر صاحب نے فرمایا ہے ۔ کہ تصحیح ۱ درست ہے اور جب بھی دوبارہ طباعت کی نوبت آئی، اصلاح کر دی جائے گی۔ تصحیح ۲ کے ضمن میں مجھے کچھ یاد نہیں ہے اور میری رائے اب بھی یہی ہے !)

(۱۱)

وعلیکم السلام ۔ گرامی نامہ ملا ۔ جس کے لئے شکر گزار ہوں ۔ میں نے اپنے احساسات کا ہلکا سا اشارہ بحیثیت ایک معتقد تا ابد ۔ حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ "اپنے خط بنام مرتب حکمت قرآن" میں کیا تھا ۔ لیکن آج جب اپنی بیاض دیکھ رہا تھا تو صدق ۔ لکھنو، کا ایک تراشہ ۔ مورخہ ۲۶ - ۷ - ۱۹۸۶ء نظر پڑا ۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ مولانا دریابادی حضرت مولانا آزادؒ کے سخت ترین ناقد تھے ۔ تراشہ کی نقل : ۔

" نیشنلسٹ کی زبان نے مولانا ابوالکلام کی ایک تقریر ۱۹۴۷ء کا آخری حصہ :۔

عزیزو ! میرے پاس تمہارے لئے کوئی نیا نسخہ نہیں ہے ۔ ۱۴ سو برس کا پرانا نسخہ ہے وہ نسخہ جس کو کائنات انسانی کا سب سے بڑا محسن لایا تھا ۔ اور وہ نسخہ قرآن مجید کا یہ اعلان کہ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۔ ڈرو نہیں اور نہ غمزدہ ہو تو تمہیں غالب آؤ گے اگر تم مومن رہے ۔

خوب خیال کر لیجئے ۔ یہ تقریر اُن مولانا ابوالکلام کی نہیں ہے جو ۱۲ء ۱۴ء میں "الہلال" کے ایڈیٹر اور قرآن کے داعی تھے ۔ یہ اُن ابوالکلام کی ہے جو ۴۷ء میں وزیر مرکزی ہو چکے یا وزیر بننے جا رہے تھے، اور ہند کو سوراج حاصل ہو چکا تھا ۔ آج کوئی کاش اتنا کہنے والا بھی ہوتا ! مولانا کو نہ یہ

PEPSI

MIRINDA

پنجاب بیوریجز کمپنی لمیٹڈ۔ فیصل آباد۔ فون: ۲۶-۳۱
۲۳۹۳۱

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ

سورۃ الاسراء۔ الآیۃ ۸۲

عطیہ: حاجی محمد سلیم

حاجی شیخ نور الدین اینڈ سنز لمیٹڈ (Exporters)

۳۰۱، لنڈا بازار، لاہور ۳۰۶۴۲۸ / ۳۰۵۴۶۹

paragon

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ
حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ
إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ وَاعْتَصِمُوا
بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

مُلکی صنعت قوم کی خدمت ہے
اور
قومی خدمت ایک عبادت ہے

سروس انڈسٹریز

اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے سال ہا سال سے
اِس خدمت میں مصروف ہے

Servis

قدا قدا حسین قدا قدا آرا۲

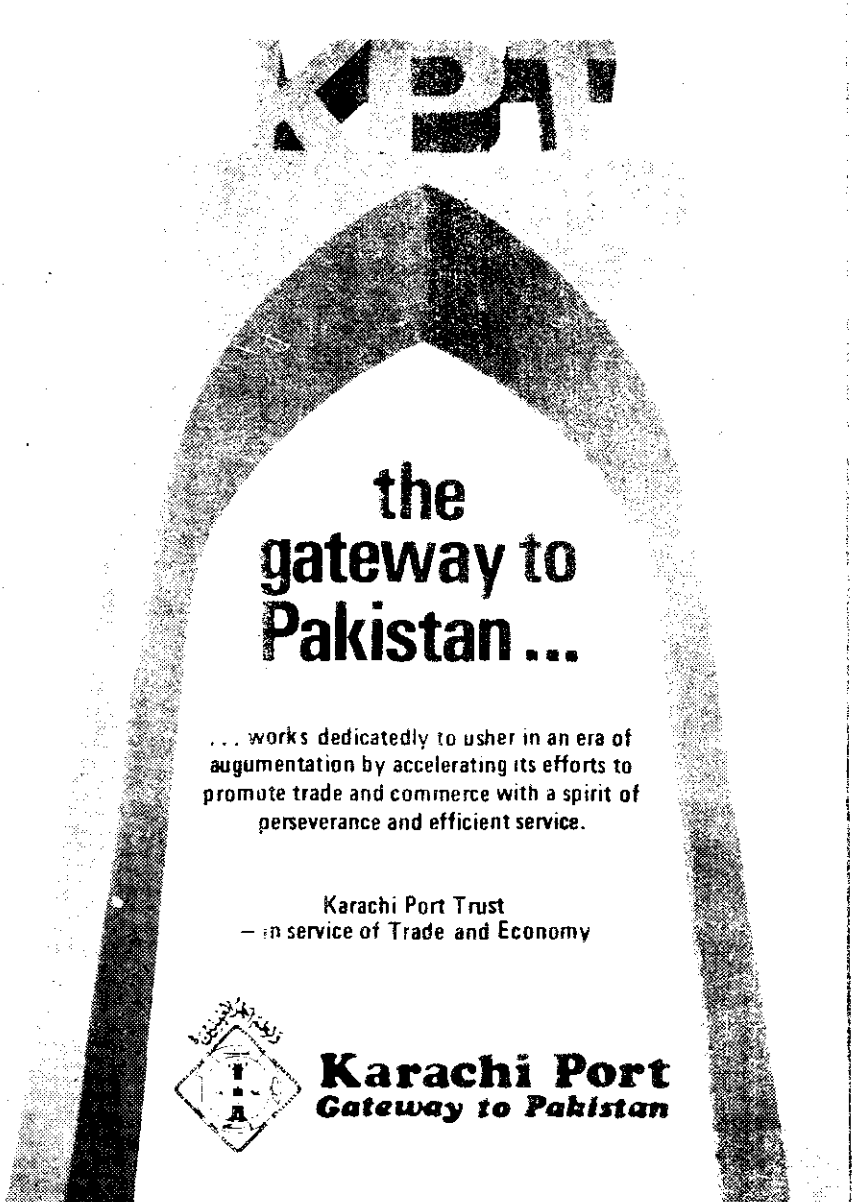

PID (Islamabad) Paragon • KPT-11-R

Regd. L. No. 7360

MONTHLY **"MEESAQ"** LAHORE

Vol 31 NOVEMBER 1982 No. 11

قدرتی گیس کا ضیاع روکیئے

ہمارے توانائی کے وسائل محدود ہیں ہم توانائی کے ضیاع کے متحمل نہیں ہو سکتے

گیس بچاکر
قومی معیشت کو
مستحکم بنائیے

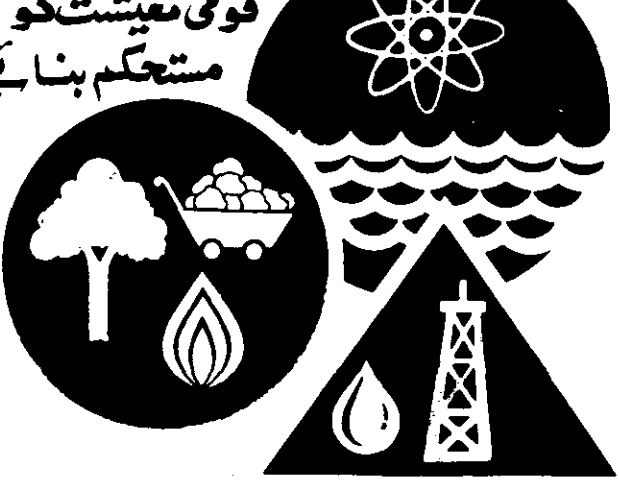

ہمارے ملک میں توانائی کے وسائل کی کمی ہے۔ توانائی کی ضروریات کثیر زرمبادلہ صرف کر کے پوری کی جاتی ہیں۔ ہماری صنعت، تجارت، زراعت کے شعبوں میں توانائی کی مانگ روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ آپ کی بچائی ہوئی توانائی ان اہم شعبوں کے فروغ میں کام آئے گی۔

قدرتی گیس بہت زیادہ
قیمتی ہے۔
اسے ضائع نہ کیجئے

سوئی ناردرن گیس پائپ لائنز لمیٹڈ

SNGPL 4/80 paragon